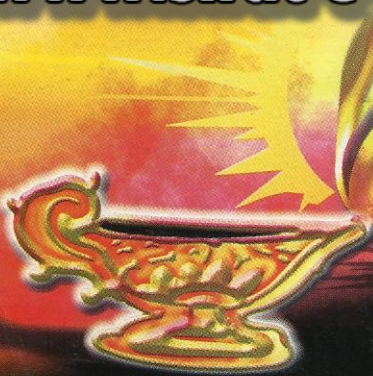


# چراغِ قلعہ اندامِ میرا

ہندو منصف کا مسلمانہ فیصلہ  
مقدمہ نمبر ۵۶۵ ۱۹۳۶ء جوہنپور

[www.sirat-e-mustaqeem.net](http://www.sirat-e-mustaqeem.net)



منصف  
پیڑت ٹھاکر پرشاد

پیش

عبدالکریم مشتاق

ہندو منصف کا مسلمان فیصلہ

(مقدمہ 565 ۱۹۳۶ء جونہور)

# چراغِ تلے اندھیرا منصف

پنڈت ٹھاکر پرشاد (ایم اے، ایل۔ ایل۔ بی)

پیشکش  
عبدالکریم شتاق  
محمد آدیل  
سید سلیم



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد لله رب العالمین والصلوة والسلام علی  
سید المرسلین وآلہ الطیبین والطاءہرین = اما بعد  
پنڈت ٹھاکر پرشاد منصف جو پورہ (کھارت) نے  
۲ جولائی ۱۹۳۸ء کو مقدمہ 565 سال ۱۹۳۸ء کا فیصلہ  
دیا۔ یہ کتاب اسی فیصلہ سے ماخوذ ہے اور اس باب انصاف کو  
دعوت غور و فکر دیتی ہے۔ منصف مزاج، غیر جانبدار اور  
انصاف پسند قارئین اس کے مطالعہ سے اپنی تحقیقات میں غیر معمولی  
اضافہ حاصل کر سکتے ہیں۔ ہم نے صحافتی دیانتداری اور ادبی  
تقاضوں کے پیش نظر اس کے اصلی مفاد میں کمی و  
بیشی کرنے سے اجتناب کیا ہے لہذا اگر کسی مقام پر کمی  
قاری کو ناگواری محسوس ہو تو ایک غیر مسلم کی عبارت خیال  
کرتے ہوئے درگزر سے کام لے۔ بے شک بردباری مسلمان  
کاشیوہ ہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ حالات مزید  
یہ کاوش مفید ثابت ہوگی۔

۱۹۳۸ء

مدعیان :- (۱) سید علی محمد (۲) سید شبیر حسین (۳) شاہ علی محمد  
(۴) شاہ محمد تقی (۵) جواد حسین خاں (۶) شیخ عبد المجید

## بنام

مدعا علیہان :- (۱) ایس شیخ علی حسین (۲) خالصا  
عبد الحمید (۳) ایم عبد الباقین (۴) ایم قیام الدین (۵) شیخ عبد الباق  
(۶) سید حامد حسین (۷) شیخ شمس الدین احمد (۸) شیخ عبد الحمید  
(۹) بقیر عبد (۱۰) حیدر حسین (۱۱) محمد صدیق خاں (۱۲) ایم عبد الحمید  
خاں (۱۳) حکیم ایس (۱۴) رحیم داد خاں (۱۵) شیخ ولی محمد

## فیصلہ

یہ ایک رسوا کن تنازعہ ہے کہ جس پر غور و غوض کر کے ہمیں ان  
اسباب و حالات کو تلاش کرنا ہے جو محمدن آبادی کے دو بڑے گروہوں  
شیعہ و سنی کے درمیان فرقہ وارانہ کشیدگی اور نقص امن کا باعث  
بنے ہیں۔ جن کے نتیجے میں شہر کا امن و امان کو شدید دھچکا لگا ہے۔  
”مدعیان“ اس مقدمہ میں مسلمانوں کے شیعہ فرقے کی نمائندگی کرتے  
ہیں اور ”مدعا علیہان“ سنی فرقہ اسلام کے ترجمان ہیں  
مدعی فرقے کا دعویٰ ہے کہ وہ جوہر پور کے باشندے ہیں اور شیعہ مذہب  
کے پیروکار، خصوصاً اہلبیت پیغمبر کے انتہائی عقیدت مند اور



ان کی عزت و تکریم کرنے والے ہیں یعنی رسول اسلام کے گھروالوں (اہلبیت) کو ماننے ہیں اور خاص طور پر حضرت علیؑ اور ان کے دونوں فرزندوں حضرت حسنؑ اور حضرت حسینؑ سے گہری عقیدت رکھتے ہیں۔ ان کے نظریہ کی اساس یہ ہے کہ حضرت حسینؑ کا خلافت اسلامیہ کے لئے سچا دعویٰ بنی امیہ نے مزید کی خاطر ظلم و نا انصافی کر کے مسترد کیا اور کربلا کی لڑائی میں غیر منصفانہ طریقہ سے انتہائی بے برکت کے ساتھ ان کو قتل کر کے ایسی بدترین مثال قائم کی جس کی نظیر مسلمانوں کی تاریخ میں دستیاب نہیں ہوتی۔ چنانچہ مدعیان حسینؑ کی اس مظلومانہ شہادت کی یاد دُنیا کے ہر گوشے میں جہاں بھی انکی سٹوڈنٹس یا زیادہ آبادی موجود ہے صدیوں سے مناتے آ رہے ہیں یہ لوگ عرصہ دراز سے جوہد میں بھی اسی طریقہ پر عامل چلے آئے ہیں۔ اس معاملہ خاص کے ضمن میں بیان کیا گیا ہے کہ ہر سال (قرآن) کے صفر کی ۱۹ تاریخ کو یہ لوگ "امام باقرؑ اسلام" سے ایسا ایک جلوس برآمد کرتے ہیں جو کہ شاہراہ جون پور سے ہوتا ہوا ایک عام گزہ گاہ جسے "قاضی کی گلی" کہا جاتا ہے سے گزرتا ہوا "امام باقرؑ صدر" پر اختتام پذیر ہوتا ہے۔ شیعہ لوگ اپنی قدیم (مذہبی) رسم کے مطابق تعزیر کا جو کس لے لے دیتے پیلٹے لوحہ خوانی دہاتم کرتے، طبل و تاشہ بجاتے ہوئے مقررہ راستہ طے کرتے ہیں اور امام حسینؑ کے اطلاق زندگانی کے عظیم انسانی نقصان کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کے قاتلوں (کے ظلم) اور امام کی شہادت کا بیان کرتے ہوئے آپ کے قاتلین کی مذمت کرتے ہیں اور خاص طور پر عمر ابن سعدؓ، عمر بن لہٰیؓ، یزیدؓ، شیبہؓ، شمرؓ اور حنفی

پر لعن طعن کرتے ہیں۔

جب کہ عمومی طور پر یہی شیعہوں کے اس مذہبی شعار سے اختلاف کرتے ہیں اور ان کے اس قانونی حق کی بجائے اور یہی سے مخالفت رکھتے ہیں لہذا مدعیان کی درخواست ہے کہ ان کو اس قانونی حق کی بجائے اس میں قانونی تحفظ مہیا کیا جائے کہ وہ اپنا یہ شہر کی حق جیسا کہ دستور اپنا مذہبی جلوس بمطابق رسم و رواج طبل و تاشہ کی آواز، نذرہ خوانی، ماتم برائے امام حسین اور امام کے مذکور بالا سات قاتلوں پر لعنت کرنے کے ساتھ جاری رکھ سکیں۔ اور ایسے جلوس کو جن پور کی بڑی سڑک اور قاضی کی گلی کے راستوں پر سے آزادانہ طریقہ پر نکال سکیں اور اس کے لئے (حفاظتی) انتظام کیا جائے۔

اس کے برعکس مدعا علیہان  
یعنی سنی لوگ مدعیان یعنی  
شیعوں کے ان قانونی حقوق  
کی بنیادوں

کا جو کہ انھوں نے اپنے مقدمہ میں بیان کئے ہیں مندرجہ ذیل بنیادوں پر انکار کرتے ہیں۔

۱۔ شیعہ اپنے جلوس میں خفیہ طور پر ان کے پہلے تین ۳ خلیفوں یعنی خلفاء ثلاثہ کو بڑا بھلا کہتے ہیں جو کہ غیر قانونی بات ہے اس لئے مقامی انتظامیہ کو چاہیے کہ ان کے بیان کردہ حقوق کو منسوخ کرے۔ یعنی کہتے ہیں کہ شیعہوں کا یہ کہنا غلط ہے کہ وہ اپنے جلوسوں میں امام حسین کے قاتلوں پر لعنت کرتے ہیں جبکہ



حقیقت یہ ہے کہ وہ مختلف طریقوں سے خلفاء ثلاثہ پر لعنت کرتے ہیں۔

۲۔ جہاں تک ان سات اشخاص پر لعنت کرنے کا سوال

ہے ہمارے نزدیک وہ بھی اچھی بات نہیں ہے کیونکہ ان ساتوں میں عمر بن سعد ہے جو پیغمبر کا رشتہ دار ہے اور عمر حضرت علی کا سالادھار تھا جبکہ باقی تمام کے تمام بہر طور مسلمان ہیں لہذا کسی کا نام لے کر اس پر لعنت کرنا ایک گناہ ہے جس کی قانونی طور پر اجازت نہیں ہونا چاہیے۔

کسی پر لعنت کرنا جسے کہ اصطلاح میں تبرأ کہا جاتا ہے ٹھیک بات نہیں۔ مدعیان یہ عمل اپنے جلد سوں میں طبل و تانسہ کے شور و غل میں کرتے ہیں تاکہ اُن کی آواز اس غل میں دھب جاسکے لہذا یہ تبرأ دوسروں کو سنائی نہیں دیتا۔ شیعوں کی ایسی تبرأ باز بھی قانونی ہے پس مقامی انتظامیہ کو چاہیے کہ وہ شیعوں کے جلد سوں پر یا ہند کی عائد کر دے۔

۳۔ مدعا علیہ مان نے مدعیان کے مذکورہ حقوق کے مطالبہ کے مقابلے میں کوئی آئینی مداخلت کا جواز پیش نہیں کیا۔ نہ ہی انھوں نے اس سلسلہ میں مقامی انتظامیہ کی طرف رجوع کیا ہے کہ شیعوں کے خلاف اس بارے میں کوئی قانونی چارہ جوئی کی جائے لہذا اُن کا یہ موقف غیر مؤثر قرار پاتا ہے۔

۴۔ فریق ثانی نے مزید کہا کہ چونکہ یہ زمین مسلمانوں کا ایک ایسا طبقہ بھی موجود ہے جو شیعوں کے بیان کردہ سات قاتلان حسین کو اپنا پیشوا ماننا ہے لہذا ان پر لعنت

کرنے سے ان کے جذبات تجروح ہوتے ہیں جس کے رد عمل میں خلل امن و امان واقع ہونے کے خدشات موجود ہیں۔

۵۔ علاوہ انہیں تقریبہ داری اور ماتم داری از خود

فریب شیعہ کے برخلاف ہے لہذا مدعیان کو یہ سہولت بہم پہنچانا اور اس قسم کی اجازت مرحمت کرنا مناسب نہ ہوگا۔

۶۔ دولت ہند کے سکریٹری اس مقدمہ کے اہم فریق

ہیں۔ ان کی عدم شرکت کے سبب قانونی اعتبار سے یہ مقدمہ ناقص قرار پاتا ہے کیونکہ ایک اہم فریق اس میں شرکت نہیں کر رہا ہے۔

۷۔ آخری موقف یہ ہے کہ جسے فریق صفائی نے اختیار کیا

ہر حکم شیعوں کو جلیوس نکالنے کی اجازت دینا یا نہ دینا عدالت عالیہ کی صوابدید پر ہے۔ اب چونکہ شیعوں کے جلیوس سے شہری

امن کو خطر ہے لہذا اس کے پیش نظر استدعا ہے کہ محسوز عدالت شیعوں کی یہ درخواست نامنظور کر دے۔

اس تنازعہ میں مدعا علیہان کی اختیار کردہ  
**تخصیص** | شقوں کی تخصیص اس طرح ہوتی ہے کہ۔

۱) کیا مدعیوں کو اسے غریبی جلیوس کو برہنہ کرنے کا حق حاصل ہے؟

۲) کیا فریق مخالف کو یہ قانونی حق پہنچتا ہے کہ وہ مدعیوں

کے جلیوس نکالنے کے مندرجہ بالا طریق کار پر اعتراض کر سکے؟

۳) کیا حکومت ہند کے سکریٹری اس مقدمہ میں فریق واقعی

ہیں اگر ہر فرد ان کی شرکت کس قانونی پایہ اہمیت کی حامل ہے؟

۴) کیا دعویٰ کرنے والوں کے پاس کوئی معقول آئینی

لازمہ عمل ہے؟



۸  
 مومنان کو کس حد تک سہولت دی جاسکتی ہے اور ان کو  
 کس رعایت کا مستحق قرار دیا جاسکتا ہے۔

## دریافتی تحقیقات

سوال ۱ اور ۲: (مسلمانوں کی تاریخ پر طائرانہ نگاہ)

فریقین کے نظریات و خیالات کا جائزہ لیتے ہوئے  
 اس معاملہ کو سلجھانے اور اس کی سہ تک پہنچنے کے لئے ضروری  
 ہے کہ مختصر مسلمانوں کی تاریخ پر نگاہ ڈالی جائے جس میں  
 ان دونوں فرقوں کی باہمی نزاع و منافست کی اصلیت  
 مندرج ہے، یہ دونوں فرقے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)  
 پر راسخ ایمان رکھنے کے دعویدار ہیں اور ان کو اللہ کا رسول مقرر  
 کرتے ہیں اور ان کی تبلیغ و نقش قدمی پر متفق ہیں۔ دونوں  
 قرآن کے الہامی ہونے پر کمال ایمان رکھتے ہیں۔ پیغمبر کی وفات  
 سے پہلے ان کے معتقد پیروکاروں میں کسی قسم کا کوئی اختلاف  
 نہ تھا مگر ان کی رحلت کے بعد جو مشکل مسئلہ اسلامی دنیا  
 کو پیش آیا وہ آنحضرت کے بعد ان کے جانشین کی تقرری کا تھا  
 جسے خلیفہ، امام، روحانی پیشوا یا اسلامی دنیا کی حکومت  
 کا حاکم کہا جاتا تھا۔ وفات رسول کے وقت آپ کی جہت  
 پیوہ حضرت عائشہ، محبوب ترین چچیرے بھائی (درداماد

حضرت علیؓ جن کی شادی حضرت کی اکلوتی صاحبزادی فاطمہؓ اور حسنؓ اور حسینؓ جو کہ پیغمبرؐ کے دو وراثے تھے، علیؓ کے بیٹے تھے اور برکت رسولؐ فاطمہؓ کے فرزند تھے۔ ان کے علاوہ حضورؐ کے اہل بیتؑ میں کوئی اور فرد نہ تھا۔ جیسا کہ مسٹر جسٹس آرنلڈ نے اپنے ایک مشہور فیصلہ میں کہا ہے جو انھوں نے بمبئی ہائیکورٹ میں ایک ممتاز خواجہ کے کیس میں صادر کیا ہے۔ موصوف جسٹس آپس طرح لکھتے ہیں کہ: "اہل اسلام میں عام توقع یہی تھی کہ علیؓ (راحمہ اللہ) پہلے جانشین ہیں۔ کیونکہ وہ نبیؐ کے محبوب صحابی، ان کی بیہمتی و اکلوتی وارث بیٹی فاطمہؓ کے شوہر تھے۔ مگر ایسا نہ ہوا پیغمبرؐ کی جوان محبوبہ بیوی عائشہؓ جو کہ فاطمہؓ اور علیؓ کے خلاف برہ خاش رکھتی تھیں اپنے اثر و رسوخ کے ذریعہ ایک انتخاب کے تحت اپنے باپ ابو بکرؓ کو خلیفہ بنانے میں کامیاب ہو گئیں۔ علیؓ جو کہ اس (امر خلافت) کے حقیقی حقدار تھے، رسول اللہؐ کے محبوب ترین تھے اور (فضائل میں) انہیں کوئی ثانی نہ رکھتے تھے۔ وقت کے شجاع ترین مدبر و تھے نیز بہادر ہونے کے ساتھ ساتھ دانا، علی قاضی، عمدہ ناظم، زاپدہ، متقی، بہرہ گار اور تاج کے بلند کردار شخص تھے اور نبیؐ کی اکلوتی بیٹی کے شوہر نامدار اپنے دو فرزندوں یعنی حسنؓ و حسینؓ کے پیر و سرور تھے۔ وہ فرزند کہ جو رسولؐ خدا کو بہت زیادہ پیارے تھے اور آنحضرتؐ نے اپنے ان دونوں لڑکوں کو جنت کے نوجوانوں کا سرشار ہونے کا خطاب عطا فرمایا تھا۔"

علیؓ رسولؐ خدا کا وہ سایہ تھے جو ان کے بھی جدائے ہوا اس بات

فاضل منصف نے دعا فرمادی کہ وہ دینہ کے اعلا استعمال کے ہیں۔



سے ہرگز انکار نہیں کیا جاسکتا کہ حضرت علیؑ پیغمبر کے ان اصحاب میں سے  
 تھے جو ہر حالت میں حضورؐ کے ساتھ سینہ سپر رہے اور ساری زندگی  
 وہی کیا جو پیغمبرؐ نے کیا یا آپؐ نے جہاں تک میں نے مسلمانوں یا  
 غیر مسلموں کی کثرت نہ کر وہ تاریخوں سے اخذ کیا ہے میں دیکھتا ہوں کہ  
 علیؑ رسولؐ خدا کا وہ سایہ تھے جو ان سے کبھی جدا نہ ہوا۔ ان کا ہر تاؤ  
 بالکل ویسا ہی تھا جیسا کہ بوس دین کا جانسن کے ساتھ تھا۔ علیؑ  
 یقیناً اس بات کے مستحق ہیں کہ ان کو پیغمبرؐ کا قوت بازو قرار دیا جائے  
 وہ اقتدار پیغمبرؐ کے حقیقی حتماء ہیں (جو کہ دانشوروں میں دانا ترین  
 میدان جہاد کے اس شجاع ترین مجاہد) ان ہی کی تلوار سے شاندار فتوحات  
 حاصل ہوئیں۔ خندق، احد، بدر، اور خیبر کے محرم کے سر ہونے۔  
 علیؑ کی بدولت ہی محمدؐ کا مشن پھلایا اور آغا خان دنیا میں اس تیزی  
 سے پھیل گیا کہ انسانی تاریخ میں کسی تحریک کو ایسی سرعت و سرور  
 نصیب نہیں ہوئی۔ اس کام اسلام میں علیؑ نے محمدؐ کے ہاتھوں کو مضبوط  
 کیا۔ پیغام اسلام کو دولتی حیات عطا کی۔ "الغرض یہ سب خدمات  
 علیؑ کے اس حق کی تائید کرتی ہیں کہ اسلام کی صحیح قیادت کے لئے  
 علیؑ سے بڑھ کر کوئی حقدار نہ تھا اس منصب کا اہل کوئی دوسرا ہرگز  
 نہ تھا۔ رسولؐ اللہ سے قربت داری اور ذاتی خصوصیات کے پیش نظر مخلوق  
 ترین دوست اور فرماں بردار پیغمبرؐ کا وہ رسولؐ مہر نے کے باعث شیعوں  
 کا عقیدہ ہے کہ اگر صحیح انتخاب ہوتا تو علیؑ یقیناً یہ انتخاب جیت جاتے  
 علیؑ کا حق خلافت اس حقیقت سے بھی تقویت پاتا ہے کہ پیغمبرؐ  
 نبی حیات میں گاہے بگاہے علانیہ طور پر لوگوں میں علیؑ کی ولی مہر ہی کا

آزادانہ و کھلا اظہار فرمایا کرتے تھے۔ میں اس سلسلہ میں میجر برائٹس کی تحریک کردہ ناپکی کتاب "ہسٹری آف محمد بن ابی بکر" کے صفحہ ۱۷۷ سے اقتباس کا حوالہ پیش کرتا ہوں۔

**میجر برائٹس کا بیان غدیر** "مکہ سے واپسی کے موقع پر علی

بخش روئے یہ اس بات کی تشفی کن نشاندہی کرتا ہے کہ آپ نے ان کو اپنا ولی عہد مقرر فرمایا اس طرز عمل سے علی طور بہرہ سہی لیکن بونہی و اعتبار سے ان مراعات اور اعزازات کے بل بوتے پر یہ ماننا پڑے گا کہ آنحضرتؐ اقتدار حکومت علیؑ کو سونپ دینے کی خواہش نہ رکھتے تھے۔ دوران سفر خیم غدیر کے قریب درختوں کے جھنڈ میں جلسہ عام کا تعجیلی اہتمام فرماتا اور لوگوں کے بجاووں کا مسمر بنانا آگے نکل گئے مسلمانوں کو یہ ایس بلوانا بھیجے رہ گئے لوگوں کا انتظار کرنا۔ پھر علیؑ کا ہاتھ اپنے خطیب کو یہاں تک پہنچانا کہ "جس کا میں مولا اس کا علی مولا" پھر علیؑ کے ہاتھوں کو بلند کرنا اس حد تک کہ ان کے قدم نبیؐ کے گھٹنوں تک پہنچے کہ ساتھ مجمع بچشم خود دیکھے کہ اللہ کا رسولؐ کس کو بلند کر رہا ہے۔ اور اپنے خطاب کو جاری رکھتے ہوئے یہ فرمانا کہ جس طرح تم سب کی جانوں کا میں ولی ہوں اسی طرح میرے بعد یہ علیؑ بھی ولی ہے۔ پھر قسم کھا کر وضو کرنا یہ ارشاد کرنا کہ اے خداوند اتو دوست رکھ اس کو جو علیؑ کو دوست رکھے دشمن رکھ اس کو جو علیؑ کو دشمن رکھے اور اس کے بعد آنحضرتؐ کا



خیمے میں والیں قشر لہٹ لانا، علیؑ کی دستار بندی کرنا۔ حجج کثیر کی موجودگی میں حضورؐ کا مبارک باد دینا اور علیؑ کی اس تقریر کا کامیابی پر لوگوں کا ہر یہ تہنیت پیش کرنا وغیرہ سب کچھ علیؑ کے حق کی گواہی دیتا ہے، ”میں جبر پر اٹھتا ہوں جو کہ مسلمانوں کی قدیم تاریخ کے معتبر مؤرخ ہیں، مگر سے وقت سے علیؑ کا حق خلافت و امامت بیان کر چکے۔ لیکن (افسوس!) علیؑ کے ساتھ خود مٹی قسمت یہ ہوئی کہ وہ اپنی عادات و خصائل میں سادہ لوح، فضائل و شمائل میں پارسا اور اپنے حق کو (زبردستی) لینے میں کمزور واقع ہوئے و فاسد پیغمبرؐ پر وہ ان کی تدفین میں مشغول رہے۔ اس اثناء میں دوسری طرف رسولؐ کی جہتی بیوہ عائشہؓ نے اپنے بولہ رسے اثر و رسوخ کو بروئے عمل لائے ہوئے اپنے باپ کے لئے کامیابی کی راہیں ہموار کر لیں اور ان کو منتخب کر لیا گیا۔ اس سلسلہ میں علیؑ کی دوسری بدقسمتی یہ ٹھہری جو کہ ان کے لئے زیادہ مصرت سال ثابت ہوئی کہ ان کے تعلقات عائشہؓ کے ساتھ ناخوشگوار تھے اور آخری ایام میں خاندان رسولؐ میں عائشہؓ نے قابل ذکر حدیث اختیار کر لی تھی اور وہ خاص طور پر ایام مرض میں ان بی بی صاحبہؓ نے فضا کا کافی حد تک اپنے قبضہ قدرت میں لے لیا تھا۔ یہ علیؑ بن ابی طالب جو کہ عائشہؓ کے پہلے سے مخالف تھے اور قبیۃ اُفک پر انھوں نے عائشہؓ کے خلاف عدم اعتماد کا اظہار کیا تھا حالانکہ یہ مخالفت بھی علیؑ کی ذاتی عرض کی بنا پر نہ تھی بلکہ اس کا سبب بھی پیغمبرؐ اسلام کا بہتر مفاد تھا۔ مگر بی بی عائشہؓ نے ساری

زندگی یقیناً اپنے سینے میں محفوظ رکھا اور جب کبھی بھی علیؑ کو نقصان پہنچانے کا موقعہ ہاتھ آیا بی بی نے اس موقعہ سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور علیؑ کو نیچا دکھانے میں ایسی ہی جہد کی کا زور صرف کیا۔

بی بی عائشہ کے والد حضرت ابو بکرؓ بھی با اثر آدمی تھے۔ لیکن علیؑ کے حقوق کو یا مال کہہ ہوئے وہ اپنے اثر و دستور سے

**علیؑ کے حقوق کی پامالی اور امت کا باہمی نفاق!**

خلافت کا تاج اپنے سر پر سجایا لیکن نہ رضی ہو سکے نہ اس وقت کے وفادار مسلمانوں نے اس غیر منصفانہ اقدام کو ناپسندیدہ نگاہوں سے دیکھا۔ یہ وفادار (مسلم) جماعت دل سے یقین رکھتی تھی کہ حضرت علیؑ ہی منصب خلافت کے اہل ہیں۔ ان لوگوں کا نظریہ ہے کہ خلافت علیؑ اور اولاد علیؑ کا پیدا رشتہ حق ہے۔ یہ اہلیت ان ہی میں ہے کہ نہ دنیوی اسلامی خلافت، حکومت و امامت کے منصب جلیلہ پر فائز نہیں اور نہ تینوں خلیفہ حضرات ابو بکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ غاصبانہ تختہ کے ذریعہ بہر سراقہ آئے اور نہ وہ تمام کے تمام اس بات کے مجرم ہیں کہ انھوں نے حقیقی مقدر علیؑ کے اس موروثی حق پر طرکہ طرکہ الایچنا کچھ بھی وہ جماعت ہے جو اس نظریہ کے باعث "شیعہ" کے نام سے جانی و پہچانی جاتی ہے۔ شیعہ کے معنی حب دار یا پیروکار کے ہوتے ہیں۔ چنانچہ یہ شیعہ اپنے رسولؐ کے اہلیت کے پیروکار ہیں۔ نبیؐ کے گھرانے کو ماننے والی جو کہ علیؑ ان کے صاحبزادوں حسن و حسینؑ اور فاطمہؑ جو کہ پیغمبرؐ کی

دفعہ ہیں کے معتقد ہیں۔ محمدیوں (مسلمانوں) کا ایک اور گمراہ جو  
شیعہوں کے اس دعویٰ کا مخالف ہے اور علیؑ کو اس بنیاد پر خلیفہ  
تسلیم نہیں کرتا بلکہ خلیفہ کے چناؤ کے لئے انتخاب کے اصول کا قائل  
ہے اس گمراہ کو اہل بسنتہ یا سنی کہا جاتا ہے۔

**بنی امیہ کی روش** | تیسرے خلیفہ حضرت عثمان کی موت

کے بعد علیؑ کا دعویٰ اذ خود تسلیم کر لیا  
گیا اور خلافت یا حکومت کی باگ ڈور ان کے حوالہ کر دی گئی۔  
لیکن مخالف قوتیں ان کے خلاف ریشہ دوانیوں اور سازشوں  
میں مصروف کار رہیں۔ ان کے نمایاں مخالف اور خطرناک دشمن  
بنی امیہ تھے۔ جو کہ قریشی عرب قبائل ہی میں سے ایک قبیلہ ہے  
جن کا سردار ابوسفیان تھا۔ ابوسفیان محمدؐ کے سخت ترین جانی  
دشمنوں میں سے تھا اس کا مشن محمدؐ کے ساتھ ہر قدم پر لڑنا۔

اسلام کے برخلاف بہرہ ویکٹڈ اگر نا اور مسلمانوں کی طاقت کا شیرازہ  
بکھیرنا تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ محمدؐ کو مذہبی اور ریاستی دونوں  
طاقتیں نصیب ہو گئی ہیں تو وہ بے بس، لاچار اور مجبور ہو کر عالم  
بے چارگی میں حلقہ بگوش اسلام بہہ ا۔ ابوسفیان اور اس کے  
اہل خاندان نے زبان سے تو کلمہ اسلام بڑھو لیا لیکن ان کے دلوں  
میں اپنی ناکامی و تباہی کے انتقام کی چنگاری سلگتی رہی۔  
معاویہ اسی ابوسفیان کا بیٹا تھا۔ یہ علیؑ کے سچے بیٹا نہ ہا۔  
علیؑ نے پر آشوب حالات کا حوصلہ مندری سے مقابلہ کیا اور اسکی  
شاطرانہ چالوں کو ناکام بناتے رہے۔ یہ معاویہ بڑا مضبوط آدمی تھا۔



اہل ہند اسے سلطنت اسلامیہ کو دو ٹکڑے کرنے میں کامیابی حاصل  
 ہو گئی۔ ایک حصہ علیؑ کے زیرِ حکومت ہوا اور دوسرا معاویہ کے  
 زیرِ تسلط آیا مگر اس پر کبھی معاویہ نے علیؑ کو چین کی سائنس نہ  
 لینے دی۔ عائشہ کی طرف سے معاویہ کو حمایت و کمک مسلسل  
 ملتی رہی اور وہ منیرِ ائمہ علیؑ کے لئے بہرِ شایستگی کا موجب بنے۔  
 رہے۔ حتیٰ کہ مسجدِ کوفہ میں جو کہ دریائے فرات کے کنارے پر  
 ایک قصبہ ہے ایک مسلمان (خارجی) نے علیؑ کا کام تمام کر دیا۔  
 شہادتِ علیؑ کے بعد ان کے بیٹے پیٹھ حسن بن علیؑ تختِ نصیب ہوئے  
 جسٹس آرٹھ کے مطابق، حسنؑ و حضرت علیؑ کے بڑے فرزند  
 اے مقدس والد کی مطلوبانہ شہادت کے بعد بادشاہت کے  
 پیدا کنشی حتیٰ کہ کثیر رقم کے عوض میں معاویہ کے ہاتھوں فروخت  
 کرنے پر مجبور ہو گئے اور اس پیسے سے وہ اپنے زندگی کے مصارف  
 خیر و خیرات، مذہبی فلاح و بہبود کے کاموں کے اخراجات دیئے میں  
 نہ بکریا کرتے تھے۔ ۶۹ء میں پیغمبرِ اسلام کا یہ بے گناہ نواسہ ایسی  
 بیویوں میں سے ایک بیوی کے ذریعہ نہ ہر دیئے جانے کے سبب انتقال  
 کر گیا۔ اس بیوی کو زینبِ علیہا السلام نے رشتہ دی تھی۔ اور معاویہ کا یہ  
 بیٹا تختِ دمشق پر بیٹھ گیا اور معاویہ نے والا تھا اب بنی  
 راضی اللہ علیہ و آلہ و سلم کا براہِ راست خونی رشتہ دار اور  
 اسلام کا بڑا ہی خواہِ صرف و غلبہ تھا۔ جو علیؑ و فاطمہؑ کا چھوٹا بیٹا ایک  
 بہادر و نیک سیرت انسان کہ جس میں اس کے باپ کی روح کام  
 کرتی تھی تنہا باقی رہ گیا تھا۔ معاویہ نے مرنے سے پہلے اپنے بیٹے

یزید کو جانشین مقرر کر دیا۔ مرتے وقت معاویہ نے بدترین عہد  
 شکستی کا مظاہرہ کیا اور امام حسنؑ سے اپنے صلے کے عہد نامہ کے اسی  
 عہد سے پھر گیا کہ جس کے تحت اسے اپنے انتقال کے بعد زمام اقتدار  
 امام حسنؑ یا امام حسینؑ کے سپرد کرنا تھا۔ کچھ ہی عرصہ بعد معاویہ کی لبا  
 اور اس کی جگہ اپنے باپ کی جاگیر سمجھتے ہوئے یزید بن معاویہ تخت نشین  
 ہوا۔ معاویہ نے اپنے بیٹے یزید کو خلیفہ نامزد کر کے تمام سابقہ اسلامی  
 طریقہ کاروں کی مخالفت کی تھی لہذا قافلی لحاظ سے نہ یہ کی جاسکتی  
 قطعی طور پر ناروا تھی۔ یہ یزید کہ جس کا تذکرہ کیا گیا ابو سفیان کا پوتہ  
 تھا عہد علویہ میں دولت اسلامیہ کے مدولت ہو جانے کے بعد  
 اور ایک حصہ معاویہ کے مستغید ہونے کے پیچھے بنی امیہ نے مسلمانوں  
 کی تاریخ کا ایک اور اضافی باب کھولا۔ اب سلطنت کا مالک معاویہ  
 جو اسلام کے بدترین دشمن ابو سفیان کا بیٹا تھا قرار پایا۔ چنانچہ بنی امیہ  
 نے شام کے دار الحکومت دمشق میں ملکیت کی بنیاد رکھی۔ انھوں نے  
 اسلامی تبلیغ کو نئی بد رنگیوں سے ہمیش کرنا شروع کیا۔ اور بن  
 کی شکل بگاڑنے میں لگ گئے۔ اس وقت مسیح شدہ مذہب اسلام  
 بنی امیہ کی زیرنگین قلمرو میں رواج پانے لگا۔ مگر حقیقی اسلام  
 کا لونا ابھی مدینہ میں خاندان رسولؐ کے دم سے جگمگا رہا تھا۔ پیغمبر  
 کے دین پر اس سے کڑا آزمائش کا وقت کبھی نہ آیا تھا۔ اگر مذہب امتی  
 سے معاویہ اور اس کا گھرانہ اہلبیت نبویؐ کی روحانی قوتوں کو  
 مٹانے میں کامیاب ہو جاتے تو آج اسلام کی شکل کچھ اور ہی ہوتی۔  
 شاید اسلام ایک بھولی لبرری داستان ہو چکا ہوتا۔ ارکان بنی امیہ

جنہوں نے اسلام کو صفحہ ہستی سے مٹانے میں، رسول اسلام سے  
 علاوہ دشمنی رکھتے ہیں کوئی گسر اٹھانہ رکھی کے کہ دارِ روزِ بد و شنی کی  
 طرح واضح ہیں جیسا کہ گین اپنی تاریخ "ڈیکلائن اینڈ فال آف  
 دی رومن ایمپائر" کے صفحہ ۱۹۰ پر لکھتے ہیں کہ "اہل شام کے  
 علاوہ بنی اُمیہ کو کبھی اور کسی جگہ مقبولیت حاصل نہ ہوئی جیسا  
 محمدؐ میں ان کے باغیانہ کارنامے انکابلے دی سے اسلام قبول کر لینا  
 ناجائز طریقوں سے تختِ حکومت حاصل کرنا اپنے اقتدار کی عمارت  
 کو عجب کے سب سے مقدس افراد کے خون کے گارے سے مضبوط  
 کرنا ایسے سیاہ کارنامے ہیں کہ جو ان کی حقیقی و اصلی تصویر پیش  
 کر دیتے ہیں۔"

اس کے علاوہ متعدد ممتاز انگریز مصنفین مثلاً میجر برائٹس  
 مسٹر گین اور گل بین نے معاویہ اور یزید کی بدہ زندگی پر وہ طریقے سے  
 مذمت کی ہے۔ جیسے میجر برائٹس کی تاریخ "ہسٹری آف دی محمدین  
 ایمپائر"، صفحہ ۲، گین کی "ڈیکلائن اینڈ فال آف دی رومن ایمپائر"  
 صفحہ ۱۹۰ اور سیسرسن کی شہار "ہسٹری آف مرتبہ امیر علی ص ۱۸۰ کے  
 مطابق یہ ہے کہ معاویہ مدینہ یزید کی تمام حکمتِ عملی اور کارگزاری  
 سب کی سب غیر اسلامی، غیر قانونی اور غیر اخلاقی ہے۔ جیسا کہ  
 معاویہ نے مرتے وقت اس کو تسلیم کیا ہے شاید اس لئے کہ یہ عترت  
 قیامت کے دن اسے کوئی فائدہ بخش دے۔ میں یہ نکتہ میجر برائٹس  
 کی زبان سے نقل کرتا ہوں۔

معاویہ کی وقتِ آخر یزید کو وصیت

”بلوقت موت



معاویہ سے کہا گیا کہ وہ اپنے وزراء کے سامنے کوئی وصیت کرے۔  
 چنانچہ اس نے کہا کہ مجھے تین چیزوں کا بہت افسوس ہے پہلی یہ کہ  
 میں حرص و ہوا میں گمراہ ہوا۔ اور میں نے بنی آدم کی مقدس آل کے  
 حقوق کا ناحق خون کیا۔ دوم یہ کہ میں نے امام حسن کی بیوی سے ان کو  
 زہر دے لیا۔ سوم یہ کہ میں نے یزید کو اپنے بعد اپنا وارث مقرر کیا۔  
 (پہلے اس کی تاریخ جلد ۱ ص ۳۸۹) معاویہ نے مرنے سے کچھ دیر پہلے  
 اپنے بیٹے کو کہا کہ وہ بعض چیزوں سے خبردار رہے۔ میجر پر اس  
 لکھتے ہیں کہ "ابن ابی ہریرہ کے در و دران اس نے اپنے جانشین یزید کو  
 طلب کیا اور اسے کہا کہ میں نے حتی المعتقد و رہتہا ہی حکومت کو ہر شخص سے  
 محفوظ کر دیا ہے مگر پھر بھی مجھے خدشہ ہے کہ میرے مرجانے کے بعد جاہ  
 آدمی میرے خلاف سر اٹھائیں گا وہ عیین بن علی - عبداللہ بن عمر -  
 عبداللہ بن ابی بکر - عبداللہ بن زبیر ہیں۔ خوب جان رکھو! کہ  
 عیین رسول خدا کے نواسہ ہیں اور وہ اس مملکت کے سب سے  
 زیادہ مقدار میں۔ اگر تم ان پر غلبہ پاؤ تو ان سے فیاضانہ سلوک کرنا۔  
 یہ معاویہ کا خود اپنا اعتراف ہے جس سے علی و اولاد علی کے  
 اسحقاق خلافت کا تصور شدت حاصل ہوتا ہے یزید اپنے  
 باپ سے بھی بدتر تھا۔ یہ وہی بلکہ جنت ہے جو واقعہ کر بلا کے المناک  
 سانحہ کا ذمہ دار ہے۔ وہ واقعہ کہ انسانیت کی تاریخ میں ظلم و ستم  
 کی داستان میں سرفہرست آتا ہے۔  
 یزید کا کردار اپنے باپ کے مرجانے کے بعد جب یزید بادشاہ  
 بنا تو اسے احساس ہوا کہ اسے مسلم عوام الناس

کی دلی حمایت حاصل نہیں ہے اور اس کی جانشینی مسلمانوں کے  
 تمام گزشتہ طریقوں سے مختلف ہے۔ وہ جانتا تھا کہ سچے  
 مسلمانوں کے دل امام حسین کی طرف جمحکے ہوئے ہیں جو کہ سبیل  
 پیغمبر ہے اور ان کی زندگی میں اس کو کوئی مقام حاصل نہیں  
 ہو سکتا چنانچہ اس نے ارادہ کیا کہ یا تو حسین اس کی اطاعت کو قبول  
 کر لیں یا پھر ان کو ٹھکانے لگا دیا جائے۔ چنانچہ اس نے پہلے  
 ان سے بیعت طلب کی جیسا کہ اس سے پیشتر بیان کیا گیا۔ بہنیز صرف  
 مسلمان دنیا کی ایک مملکت ارضی کافر ماں نہ دہا کا نہ تھا بلکہ اس  
 مسلک اور مذہب کا پہرہ چارک بھی تھا جسکی بنیاد جبہ پیرا سلام  
 کے نام سے اس کے باپ نے دمشق میں رکھی تھی۔ جبکہ امام حسین  
 یہ سمجھتے تھے کہ اھوئی طوڑ پر حکمران کا حق ہے جسے طاقت کے  
 بل پر ان سے غصب کر لیا گیا ہے اور سزید کی خلافت اسلام کے  
 لئے بہت بڑا المیہ ہے کیونکہ جو اسلام ان کے نانا رسول اللہ ﷺ  
 تھے یزید اس میں دست اندازہ یاں کر رہا تھا۔ اور اندر ہی اندر  
 دین محمدی کی جڑیں کھوکھلی کرنے میں مشغول تھا۔ حسین اپنی  
 آنکھوں سے اسلام کا علیہ بگڑتا نہیں دیکھ سکتے تھے۔ انھیں  
 معلوم تھا کہ یزید کی بیعت کر لینے کا مطلب یہ ہوگا کہ حسین نے  
 یزید کی ملوکیت پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔ لہذا آپ نے یزید  
 کی اطاعت قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ دودر غلو میں  
 شہر کوفہ عراق کے قصبات میں خاصی اہمیت حاصل کر چکا  
 تھا۔ یہ شہر دریائے فرات کے کنارے پر واقع ہے اور

حضرت امیر کے عہد میں دارالسلطنت بنایا گیا تھا۔ لہذا  
اہل کوفہ قدرتی طور پر علی کے جاں نثار بن چکے تھے۔ وہ یزید کی  
غیر آئینی حکومت کے بر خلاف تھے اور اس کی جگہ امام حسین  
کو برسر اقتدار لانے کے متمنی تھے۔ چنانچہ انھوں نے لاکھوں  
دعوت نامے عسین کی طرف روانہ کئے۔ اور ان کو یقین دلایا  
گیا کہ وہ یزید کے خلاف امام کی پوری پوری حمایت و نصرت کریں  
گے۔ امام حسین کے کئی احباب نے اپنی کوفہ کی وجہ خلافیوں  
کے بارے میں امام کو خبردار کیا۔ مگر امام نے ان نصیحتوں پر  
سمان نہ دہرا۔ آپ کا ذہن ایک مخصوص سوچ میں ڈوبا رہا  
انھوں نے اپنے دوستوں کے نیک جذبات کی قدر دانی کی۔  
آپ کو یقینی طور پر آئندہ رہنما ہونے والے واقعات کا علم  
تھا۔ مگر ان سب خطرات کو نظر انداز کرتے ہوئے انھوں  
نے اپنے نانا کے دین کو ہر قیمت پر بانی رکھنے کے لئے اپنا سب  
کچھ داؤ پر لگا دیا۔ انھیں یقین تھا کہ وہ پہلے یک دستہا مار دیئے  
جائیں گے۔ لیکن ان کا ایمان تھا کہ ان کی شہادت سے بہا ہوا  
خون قصر اسلام کی بنیادوں کو مستحکم کر دے گا۔ ان کی ذات  
دین کے بار آور و بر سر ت کے لئے بیج ثابت ہوگی۔ چنانچہ واقعہ  
کر بلا و غم ہوا۔

سنا کہ کمر ہلا! اور یہی روح سوزہ ساخہ تنازعہ زیر کاست  
کا اصل سبب ہے چنانچہ میں اس مقام  
پر ایڈورڈ گبن کے الفاظ پڑھ کر انھوں نے اپنی تاریخ "دی



ڈیپلٹائن اینڈ فال آف دی رومن ایمپائر کے صفت پر لکھے ہیں۔  
 کا حوالہ دیتا ہوں کہ شرافت حسینہ اور امام کی (علی) کا رکنہ دگی  
 لڑا سہ رسول کا بلند کردار حاکمین کو انسا نیت کی مصلحت پر  
 لے گئیں۔ وہ بڑی آسانی سے یزید کی حمایت کر کے اپنا سب کچھ  
 بچا سکتے تھے مگر شخص حفاظت حق کی خاطر وہ حکومت و مشنق  
 کے باغی قرار پائے۔ آپ کہہ لیں کہ اسے رکنہ ناموں سے مشہور  
 کیا گیا جو کہ ان کی عالی شان کے سہ اسر منافی تھے۔ خدیو طریقے  
 سے ایک فہرست کو ذہ سے لے کر مدینہ تک ایک لاکھ چالیس ہزار  
 مسلمانوں کی آبادی میں مشہور کی گئی جس میں یہ قتل میر کیا گیا کہ  
 حکومت و وقت کے خلاف غرہ و نوح کرنے والے ایک باغی کا قاتل  
 کے کنارے قلع جمع کر دیا گیا ہے۔ حسین جو کہ اپنے داناد و ستوں  
 کے مشورے کے برخلاف مرن چننا احباب اور اپنے اہل خاندان  
 کی معیت میں عرب کی صحراؤں کا سفر کرتے ہوئے تھے بالکل سہولت  
 عراق کی غوثی زمینیں پر آ کر آئے تھے وہاں کے گورنر عبداللہ  
 کے سینے پر سانپ بنگرہ لوٹ رہے تھے۔ اس نے پانچ ہزار  
 کے ایک لشکر کے وارڈی نینوا میں حسین کو گھیر لینے کے لئے روانہ  
 کیا جب اس لشکر نے حسین اور ان کے اہل بیت کو گھیر  
 لیا تو آپ نے سردار لشکر کے سامنے اپنی تین کچھونچیں پیش  
 فرمائی کہ یا تو انھیں مدینہ واپس چلے جانے دیا جائے۔ یا  
 تو ترکستان کی سرحد عبور کرنے دیا جائے۔ یا پھر حفاظت  
 یزید کے پاس بھیج دیا جائے۔ کسی نہ دیکھی لشکر کے سردار نے

ان کی کوئی بات قبول نہ کی۔ اور اس بات پر اڑا دیا کہ یا تو امام  
 بیعت قبول کر لیں ورنہ جنگ کے لئے تیار ہوں۔ آپ نے  
 اُن لوگوں سے کہا کہ تمہارا کیا خیال ہے کہ میں تمہارا یہ کیشرفکر  
 دیکھ کر تمہارے امیر کی اطاعت قبول کر لوں گا۔ نہیں ایسا  
 ہرگز نہ ہو گا۔ چنانچہ امام نے خود کو مقدمہ کے حوالہ کیا۔ حسین  
 کے اہل خاندان اس خطرناک کشیدہ صورت سے متفکر ہوئے  
 انھوں نے اپنی ہمشیرہ کو مالوہ سن دیکھ کر کہا کہ ہمارا ایمان  
 خدائے واحد پر ہے۔ ہر چیز اسی کی ہے اور اسی کی طرف لوٹ  
 کر جانے والی ہے۔ میرے بھائی حسین۔ باپ علیؑ، ماں فاطمہؑ  
 مجھ سے بڑے تھے۔ اور ہر مسلمان کو اپنے رسولؐ کے اسوہ کی مثال  
 ہمیشہ سامنے رکھنی چاہیے۔ امام نے اپنے تمام ساتھیوں کو  
 خبر دیا کہ ان کو شہید کر دیا جائے گا۔ لہذا امیر کسی سے کوئی  
 شکوہ نہ ہو گا میں سب کو بخوشی اس بات کی اجازت دیتا  
 ہوں کہ وہ اپنی جان بچانے کے لئے جہاں چاہے چلا جائے۔  
 اصحاب حسین نے یک زبان ہو کر کہا کہ ہم کسی قیمت پر آپ کا  
 ساتھ نہ چھوڑیں گے۔ چنانچہ انھوں نے اپنے وعدے کو سچ  
 کر دکھایا اور روز عاشورا اپنی جانیں مولائے خدا کی قربانی  
 دن کی صبح کو حسین مظلوم ایک ہاشمہ میں قرآن لئے دشمن کے  
 مقابلہ میں نکلے یہ غدائی جماعت صرف بتیں اگھوڑ سواروں  
 اور جالیس پیادہ سپاہیوں پر مشتمل تھی۔ لیکن ان کے ہونٹوں  
 سے سیلابی دلیار سے بھی مضبوط تھے۔ ان کی ہمت غیرت و صبر کے

رشتوں سے زیادہ طاقتور اور ان کا عزم محفوظ و مستحکم قوتوں سے زیادہ  
 گہرا تھا۔ دشمن نے پہلے ایسے تبلیغی نامور شہسواروں کو ایک ایک  
 کے مقابلہ میں روئے کیا لیکن جوب بہز فاطمہؑ نے ان کو آٹا خانہ  
 ڈھیر کر دیا تو انھوں نے مشعل ہرہ کر چاروں طرف سے نیزوں  
 اور تبروں کی برسات شروع کر دی اور ہر طرف گھوڑے دوڑا  
 دیئے۔ محسوس کارن پڑا۔ مجاہدین حسینؑ نے بڑے ہی جگر بازی  
 سے مقابلہ کیا اور دشمن کی لاشوں سے میدان پرٹا گیا۔ اسی آٹا  
 میں وقت نہمانہ ہوا۔ اس وقت تک حسینؑ کے سب ساتھی باقی ماند  
 نوش فرما چکے تھے۔ صبر و استقامت کے اس بلند پہاڑ نے اپنے  
 ہاتھوں کو بلند کرتے ہوئے بوڑھے (مگر جوان عزم) حسینؑ نے  
 آسمان کی طرف دیکھا۔ آپ کے ہاتھ خون سے رنگین تھے اور  
 ان کے عزیزوں کی لاشیں خون میں رت بہتہ زمین پر پڑ چکی تھیں  
 انھوں نے اپنے شہیدوں اور زندوں کی نمائندہ جنازہ پڑھتی دور  
 خیمے سے دیکھتی ہوئی حسینؑ کی بہن نے بھائی کی بے بسی ملاحظہ کی۔  
 کہ آپ کی ریش مبارک خون میں تر تھی۔ ان کے تحت جگر میدان کھلا  
 پر بکھرے ہوئے تھے۔ پس پیرت بھری نگاہ سے حسینؑ نے میدان  
 کے چاروں طرف دیکھا اور سجدہ شکر میں جا گئے۔ حسینؑ نے  
 شمر اٹھا۔ وہ شمر کہ تاریخ و فادہ خلاص میں اس کو ظالم و ستم  
 اور سفاک ترین کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ حسینؑ کا جھکا ہوا  
 سر جس پر اُمت ناندے حسینؑ نیزوں اور تلواروں کے تینتیس  
 سے زیادہ زخم لگا چکے تھے اب اُسٹھ نہ سکا۔ شمر اس کو کاٹنے میں



تو کامیاب ہو گیا لیکن مجبور ہو کر وہ سہ کو نیزے پر بلند ہی رکھے  
 سہ اقدس کاٹ لینے کے بعد بڑے دہشتانہ طریقے سے اُسے  
 دربار عید اللہ بن زیاد میں بھیجا گیا اور لاش مبارکہ  
 کو کھوڑنے کی ٹاپوں سے پامال کر دیا گیا۔ ابن زیاد نے اس  
 عظیم الشان کے مبارک سہ بلند سے سخت غیر انسانی اور لہجہ  
 آمیز مزہ مذاق کیا۔ اور حسین پاک پر اپنے بید کی چوڑھی سے  
 گستاخی کی۔ ”ہائے افسوس! کیا غضب کمر رہے ہو؟“ دربار  
 میں سے ایک ضعیف مسلمان چیخ اٹھا۔ اور کہا کہ میں نے خود  
 اپنی آنکھوں سے اللہ کے رسول کو ان ہونٹوں کے بوسے  
 لیتے دیکھا ہے مگر اس بزرگ کی آواز نہ صد البصر انا بہت ہوئی“  
 مگر امام حسین کو ذرا سے دربار  
 سے نکلنے تک لے جایا گیا۔ یہ نقشہ  
 میسر پر اس اپنی تاریخ کے ص ۱۴۸

## سہ حسین اور اسیران کربلا سے سلوک

یہہ بایں الفاظ لکھتے ہیں۔

”اسی اثناء میں کوفہ کے گورنر عبید اللہ ابن زیاد نے کہ  
 جس کے سامنے حسین کا گناہوا سہ بڑا تھا اس چوڑھی سے گستاخی  
 کی اور اپنے زہلی ہونے کا مظاہرہ کیا اس کے بعد کوفہ کی ہر گلی  
 و بازار میں جلوس کی شکل میں پھرایا گیا پھر اسے دمشق یزید  
 کے دربار میں لے جایا گیا اور تمام راستہ میں یہ بات مشہور  
 کی گئی کہ حکومت نے ایک باغی پر غلبہ پا کر اس کا سہ کاٹ لیا  
 ہے چنانچہ جب یزید کے دربار میں یہ سہ پہنچا تو اس نے تکبر و خوت

کے ساتھ انتہائی بدتمیزی کا مظاہرہ کیا اور لب ہائے مبارک سے  
گستاخی کی کہ وہ بار میں موجود ابو بردہ جیسے یزید کی یہ ہنسک آمیز  
حرکت ناپسند و ناگوار گزری بول اٹھا۔ باز آکر سبے اہل بیت سے  
کیونکہ میں نے کئی بار دیکھا کہ رسول خدا ان ہونٹوں کو چوما کرتے تھے  
یزید نے ابو بردہ کے سینے پر اپنی چھتری مار تے ہوئے اسے پیچھے  
ہٹایا اور بڑے تکبر سے کہا وہ بھوٹی کہانی جو شریعت کے نام پر  
عرب کی تاریخ میں مشہور ہوئی تھی اس کا قصہ تمام ہو گیا۔  
اس کے علاوہ یزید نے امام حسین کی شان میں وہی تباہی بکھی۔  
پھر وہ بڑے فخر کے ساتھ کھڑا ہوا یوں جیسے کوئی چمکدار ستارہ  
آسمان پر نمودار ہوتا ہے وہ اپنی اس ابتدائی فحش مندی پر زہر و زہریلا  
تھا اور فلک اسلام کے اس خیمہ پرایت کے غروب ہو جانے پر اپنے  
جی میں بڑی مسرت محسوس کر رہا تھا اس کے زعم میں انسانیت  
سازہ ہستی کا وجود ختم ہو چکا تھا اور اب وہ اپنی من مانی کرنے  
میں پوری طرح آزاد تھا۔ بالکل بے خطر تھا۔ نوع انسانی کا یہ پیانہ  
جسے کبھی گہن نہیں لگ سکتا بائیس ہزار کی فوج سے صرف بہتر ہے  
لفوس کے ساتھ خبردار آ رہا جس میں اس کے اعلیٰ و شریف خاندان  
کے بچے اور ستورات شامل تھیں جنہوں نے رضا کارانہ طریقے سے  
موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بلا خوف و خطر مقابلہ کیا اور  
ثابت کر دیا کہ ہر سچا مسلمان اسی جذبہ و اثیر سے میدان حق میں  
مقابلہ کرتا ہے۔

امام حسینؑ کا غمِ مصیم، آپؑ کا خدا تعالیٰ پر یقین محکم اور آپ کے

راہ حق میں ڈٹے ہوئے مضبوط قدم آخری دم تک نہ ڈگمکائے۔

**صبر حسینؑ مظلومؑ**  
**مغزنی مورخین کی زبانی**

جب شمر کا خنجر گردن شہید پر  
 تھا تو زبان حسینؑ پر آخری الفاظ  
 یہ تھے۔ ”کہ جود تو (یا اللہ) چاہے گا

دہریہ کو گائیہ حسینؑ کا صبر اور سجدہ شکریہ نہ صرف میرے لئے بلکہ کائنات  
 کے لئے تعجب خیز ہے۔ حضرت عیسیٰؑ جیسے پیغمبرؑ کہ جب رسولؐ پر چڑھا  
 کے لئے بھیجا گیا تو صبر کا دامن پکڑے ہوئے ان کے ہاتھ بھی کاٹنے  
 دکھائی دیتے ہیں جیسا کہ وہ صلیب کے قریب پہنچے تو بے ساختہ پکار  
 اٹھے۔ ”اے اللہ! اے میرے خدا! تم نے مجھے کیوں بھلا دیا“ اسی

طرح سقراط جیسے باہمت مرد کے پائیہ استقلال میں لغزش  
 محسوس ہوتی ہے کہ جب نہ ہر کا پیالہ ان کے سامنے پیش کیا گیا اور  
 ان کے ارد گرد دھڑکتوں نے رونما پیلٹا اور دوا دیا کرنا شروع کیا تو  
 وہ ان خدائیں کی یہ حالت دیکھ نہ سکے لہذا انھوں نے مطالبہ کیا  
 کہ پہلے ان عہد توں کو دور ہٹایا جائے پھر میں زہر پیوں گا۔ اللہ اللہ  
 حسینؑ! صبر و استقامت کا وہ پہاڑ ہے کہ جبکی کنکری کے ایک ذرہ  
 میں بھی جنبش محسوس نہیں کی جاسکتی۔ حسینؑ نے اصولوں کی خاطر  
 ہر آزمائش کا کھلے ہاتھوں استقبال کیا اور دنیا کے شہادت کی  
 تارہ تار میں وہ نقش خیریت کیا کہ جس کا نشان اس کے عزم کی  
 طرح بکا اور لافانی ہے۔ اہل شیعہ کو بالتحقیق یہ حق ضرور حاصل  
 ہے کہ وہ اپنے (بے مثال) پیشرو کے اس عظیم المیہ کی یاد جی بھر کر  
 منائیں اور عالمین کے اسی کبیر راہنما کی بارگاہ میں اپنی عقیدت کے



تو تازہ پھول پیش کریں مسلمانوں کی دنیا محسوس کرتی ہے کہ اسلامی  
کارہائے نمایاں میں جو کارنامہ حسین نے انجام دیا ہے وہ ایسا کوئی بھی  
دوسرا شخص انجام نہیں دے سکا ہے۔ وہ لوگ جو کہ مذہب  
شیعہ سے اختلاف رکھتے ہیں یا ہرے سے مسلمان ہی نہیں وہ بھی  
ایسے عقیدوں سے ہٹ کر جب حسین مظلوم کے مصائب سننے لگیں  
اور ظلم کی داستان کی یہ تصویر ان کی نظروں سے گزرتی ہے تو ان  
تفصیلات سے ان کی حساس قلبی سیدار ہو جاتی ہے اور عقیدہ و  
ایمان نہ ہونے کے باوجود یہ فسانہ و غم انھیں متاثر کئے بغیر نہیں  
رہتا جیسا کہ مشہور عیسائی مؤرخ گینز کی کتاب "ڈیکلاریشن  
اینڈ دی فال آف رومن امپائر" میں لکھتے ہیں۔

"کہ ہر دور میں حسین کی المناک شہادت سخت سے سخت ترویل  
رکھنے والے کو حسین کی مظلومیت سے ہمدردی کرنے پر مجبور کرتی رہے  
گی۔"۔

**عزاداری** | یہ مسلمانوں کی تاریخ کا وہ باب ہے جسکی یاد ہر سال  
تازہ کی جاتی ہے اور اس سالانہ یادگار کو دنیا  
بھر میں آباد شیعہ تقریر کا جلسہ نکال کر قائم رکھتے ہیں۔ تقریر  
بنفسہ کچھ نہیں ہے لیکن کہ بلا کی کہانی کی ایک یادگار ہے۔ شیعہ  
لوگ اسے اٹھا کر کلیں سے، شاہراہوں سے، قصوں سے، دیہاتوں  
سے گزرتے ہیں۔ یہ لوگ نوحہ خوانی کرتے ہیں۔ اور مرنے پڑے  
ہیں جن میں کہ امام حسینؑ، انکی محرمات اور بچکان پر ڈھائے گئے  
مظالم و ستم کی تفصیلات کا تذکرہ وہ بیان کیا جاتا ہے۔ شیعہ روتے

دھرتے ہیں۔ پیٹتے ہیں وادیا کرتے ہیں۔ اور جو لوگ امام حسین اور ان کے اہل خاندان پر ظلم کرنے والے تھے یا ان کو پہنچنے والے مصائب کے ذمہ دار تھے ان کی برزور نفرن کہتے ہیں اور جو طریقہ بھی اظہار مذمت و نفرت کے لئے ان کو مذہب و دین نظر آتا ہے وہ اس کو اختیار کر لیتے ہیں۔ مسیحی لوگ خود بھی امام حسین کا بڑا احترام کرتے ہیں۔ اور وہ یہ نہ بد اور اس کے ساتھیوں کی کارروائیوں کو انھوں نے قتل حسین کے سلسلہ میں کیوں ان سب کو ناپسند کرتے ہیں۔ مسلمانوں ہی میں ایک گروہ ایسا ہے جسے ناصبی کہا جاتا ہے۔ یہ لوگ اصل میں بنی امیہ کے پیروکار ہیں۔ اور پیغمبر کے اہل بیت کے بارے میں نیک گمان نہیں رکھتے۔ مسلمانوں کا صرف یہی ایک ایسا طبقہ ہے جسے شہادت حسین کے منانے پر کوئی سببی اعتراض ہو سکتا ہے۔ مگر یہ گروہ بالکل ہی آٹا میں نمک کے برابر ہے۔ اور اس علاقہ (جو بنو ہر) میں تو ان کا وجود بالکل نہ ہونے کے برابر ہے۔ لہذا میری نظر میں ان لوگوں کے اعتراض کو قطعی طور پر یکدلی اہمیت حاصل نہیں۔ اس مقدمہ میں سب سے اہم نکتہ یہ ہے کہ اس بات کا فیصلہ کیا جائے کہ کیا شیعوں کو اپنے جلوس کو شہر کی شارعا عام گزر گا ہوں سے مانع کرتے ہوئے، روستے پیٹتے ہوئے دفن بجاتے ہوئے لے جانے کا قانونی حق حاصل ہے یا نہیں خصوصاً اس کیفیت میں جبکہ وہ اپنی نظموں میں حسین کے قاتلوں پر لعنت بھی کرتے ہوں؟

**”ماہمی جلوس کو برآمد کرنا شیعوں کا قانونی حق ہے“**

مقدمہ کے اس گوشہ پر غور کرتے ہوئے میرا خیال یہ ہے کہ عدلیہ

کے بیان کے ہر لفظ کو صحیح مان لینے کے باوجود بھی ان کا موقف، ان کی  
 وکالت، ان کی شہادت، اصول قانون کی رو سے میرے نزدیک  
 اس قابل نہیں کہ وہ شیعہ مدعیان کے حقوق میں حائل ہو سکیں  
 جیسا کہ اعلیٰ عدالتوں نے اس سلسلہ میں اپنے فیصلے صادر  
 فرمائے ہیں۔ معزز بریلوی کونسل مقدمہ منظور حسین بنام محمد  
 زمان مقدمہ نمبر ۱۶۹-۱۷۰-۱۷۱ کی معائنہ رپورٹ اور فیصلہ  
 کے مطابق شہرہ ریلوں کا ہر طریقہ یہ حق رکھتا ہے کہ وہ اپنا مذہبی  
 جلسہ اپنے مذہبی طریقہ کار کے مطابق ریاست کی ہر گزہ رگاہ  
 سے لے چکے۔ اس رپورٹ کے تحت یہ معزز عدالت نے  
 دیتی ہے کہ: "یہ تنازعہ اتفاقاً نہ تاسیے کہ عدالت اس بات کا  
 فیصلہ کرے کہ مذہبی جلسوں کو سرکار ہند کی سڑکوں پر لے جانا  
 اور متعلقہ رسومات مردہ جہ کے مطابق گزرنے اور قانون ناجائز ہے  
 یا نہیں؟ عدلیہ کی حجاز و ذمہ دار شخصیتوں نے اس کی اجازت  
 دینے پر اتفاق کیا ہے۔ چنانچہ اس ضمن میں پہلا سوال یہ  
 ہے کہ کیا شارع عام گزہ رگاہوں سے مذہبی جلسوں کو سب روک  
 گزرنے کا کسی (شہری) کو حق حاصل ہے؟ معزز عدالت نے  
 خیال ظاہر کیا ہے کہ یہ استحقاق جائز ہے۔ اس طرح کا تنازعہ  
 شریعہ و سنت کے مابین اس وقت رونما ہوا جب اونٹنگ آباد  
 کے قصبہ میں بہت سارے علموں کے ساتھ شیعہوں نے ایک  
 جلوس نکالا جس میں شہادت کی یاد منائی۔ شیعہوں کا یہ  
 جلوس قصبہ کے پبلک مقامات اور راستوں پر آہ و زاری و ماتم



پر پا کرتے ہوئے لے جایا جاتا تھا سٹیڈیوں نے اس پر اعتراض کیا  
 اور پیٹنے پر جسے کہ اصطلاح میں "ماتم" کہتے ہیں پابند ہی  
 لگا دینے کی خواہش ظاہر کی۔ اور یہ موقف اختیار کیا کہ ان کی  
 مسجد کے سامنے سے ماتمیں گزرنے سے خلل واقع ہوتا ہے  
 پر یو سی کونسل کے معزز اراکین نے اس مقدمہ کی سماعت فرمائی  
 اور یہ فیصلہ دیا کہ: "ماتمی جلوس کو برآمد کرنا شیعوں کا قانونی  
 حق ہے۔ اور وہ روکنے سے پہلے اور ماتم داری کرنے کے جلوسوں سے  
 روکے نہیں جاسکتے۔" تاہم معزز اراکین نے یہ صراحت  
 فرمائی کہ "امن و امان کی صورت حال کے پیش نظر انتظامیہ کو  
 عارضی طور پر ٹھوس وجوہات کی بنا پر پابند ہی لگا دینے کی اجازت  
 ہے۔" اس عدالت نے خاص طور پر مدراء اس کے تین مقدموں کا  
 حوالہ دیتے ہوئے لکھا جن کے نمبرز 304/5 مدراء اس، 203/26 مدراء اس  
 376/26 مدراء اس ہیں۔ بحوالہ 203 مدراء اس حکم یہ ہے کہ "عملی  
 انتظامیہ اور پولیس قانون کے نفاذ اور قانونی حقوق کی پاسداری  
 کے مددگار ہیں۔ تاہم ہر کامی صورت کے پیش نظر اگر وہ مناسب  
 سمجھیں تو وہ ان قانونی مراعات کو عارضی طور پر روک سکتے  
 ہیں۔ عدالت عالیہ نے اپنے فیصلہ میں واضح الفاظ میں کہا کہ  
 "جسٹریٹس کے ایسے احکامات جو قانونی حقوق پر پابندی  
 لگاتے ہیں ان کا اعتبار و حیثیت صرف خصوصی حالات کے تحت نظر  
 ہوگا۔ نہ کہ اس طرح کے عارضی احکامات عام قوانین کی شکل اختیار  
 کر لیں گے۔" موجودہ مقدمہ نیزہ سماعت کے فریق مخالف اہل سنت

کا بڑا اعتراض قاتلانِ امام حسین پر لعنت کرنے پر ہے۔ جو کہ ذریعہ نکاح  
 جلدوں کو نکالتے وقت اہل جلدوں لقمہ لعنہ اٹھائے دیتے  
 بیٹھتے ہوئے اسلامی تعلیمات کے برعکس کرتے ہیں جس سے کہ  
 مسکینوں کے نیز مسلمانوں کے نامی طبع کے جذبات مجروح ہوتے ہیں  
 اس لئے علما گزرا گاہوں پر اس بات کی اجازت نہیں دینی چاہیے  
 چنانچہ اس مسئلہ پر مذکورہ بالا بریلوہی کونسل کے ارکان نے اپنے  
 اظہارِ فیصلہ میں صاف طور پر کہا ہے کہ صفائی (سٹیکوں) کا موقف  
 اس جہت سے منفعی اندازہ اپناتے ہوئے ہے۔ چنانچہ عدالت عالیہ  
 نے شیعوں کو اس بات کی اجازت دی اور شیعوں کے اس حق کو تسلیم  
 کیا ہے کہ شیعہ سُنی زیرِ انتظام مسجد کے سامنے سے اپنے جلدوں کو  
 حسبِ رواج روکتے بیٹھتے ہوئے ماتم و سیمینہ کوئی کمی نہ ہوئے  
 اور اپنی تمام مذہبی رسومات بجالاتے ہوئے مسجد کے قریب  
 گزرنے والی سڑک سے گزراہ سکتے ہیں۔ اس طرزِ عمل سے پیدا شدہ  
 سنہیوں کے لئے خلل اندازی اور ان کی عبادت میں بے توجہی  
 کا اثر کسی طور پر بھی حقوقِ شیعہ کو متاثر نہیں کر سکتا۔ پس  
 شیعوں کا دعویٰ اور مطالبہ کسی بھی صورت سے نہ زمرہ جرائم میں  
 آتا ہے اور نہ ہی پبلک یا پرائیویٹ مخلوق میں انتشار کا سبب  
 بنتا ہے۔ ہائی کورٹ کی ایک معزز ذہین نے الہ آباد کے مقدمہ  
 18/30 میں لکھا ہے کہ: ”جہاں جائیداد کے عمری حقوق کا  
 سوال ملے سامنے پیش ہوتا ہے تو فرماں ہمیں چاہیے کہ کسی مرنے  
 یا قانون کی سہولت دیتے ہوئے انفرادی طور پر متاثرہ فریق کے

حقوق کا لحاظ رکھیں اور ایسے کام یا ایسی دفعات جن سے کسی خاص طبقے کے جذبات کو ٹھیس لگے ان کو خصوصی طور پر پر عام حیثیت سے وجہ انتشار تسلیم نہ کریں۔ یہی معززہ عدالت دوسرے مقام پر برائے تحریک کر رہی ہے کہ: "یہ ہر شخص کا قانونی حق ہے کہ وہ کسی جائیداد کو جس مقصد کے لئے چاہے اسے استعمال کرے بشرطیکہ اس استعمال سے دوسروں کو کوئی حقیقی نقصان نہ پہنچے اور نہ ہی کوئی قانون شکنی عمل میں آئے۔ تاہم مالک کو اختیار ہے کہ وہ کسی کے جذبات کو ٹھیس لگنے کی پرورہ کرے یا نہ کرے۔"

**حقیقی اذیت اور دل آزاری** | اس مقام پر علامہ لٹ  
عالیہ نے REAL

HURTING THE ————— INJURY (حقیقی اذیت دہی) اور

SUSCEPTIBILITY OF OTHERS (دوسروں کو جذباتی

ٹھیس پہنچانا) کی صراحت فرمائی ہے۔ عدالت نے صاف طور پر لکھا ہے کہ: "اگر ایک شخص ایک کام کرنے کا قانونی حق رکھتا ہے تو وہ اسے بغیر اس بات کی پرورہ کے کہ اس کام کے کرنے سے دوسرے افراد کی دل آزاری ہوگی کر سکتا ہے لیکن وہ ایسا کوئی کام نہیں کر سکتا جس سے کہ دوسروں کو حقیقی طور پر ضرر پہنچے۔"

**گاؤ کشی** | یہی معاملہ گاؤ کشی کا ہے ہندوؤں نے فرقہ پرستوں کو اعتراض کیا۔ اور یہ موقف اختیار کیا کہ گاؤ کشی کو حلال کرنے سے ہندوؤں کے دل مجروح ہوتے ہیں۔



لہذا مسلمانوں پر گائے کو حلال کرنے کی یا بھدڑی وارہ کی جائے۔  
 ہمیں یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ جہاں تک مذہب اہل ہند  
 کا تعلق ہے تو جذبہ باقی درہمی طور پر اعتبار سے ہندو برادرہ کی کا  
 یہ حق ماننے MANU کے وقت سے ہے کہ برہمن کی زندگی اور  
 گائے کی زندگی ایک برابر سمجھی جاتی تھی یعنی انھوں نے حیوان و  
 انسان کو یکساں درجہ دیا۔ جس طرح ہندو قوانین کے مطابق  
 برہمن کو مارنا جرم ہے اسی طرح گائے کو مارنا جرم ہے چنانچہ  
 اس سلسلہ میں ہندو قوانین کے مطابق وہی گائے سزا نہیں ناقابل  
 فراموش ہیں۔ علاوہ ازیں ہندو مذہبی قوانین اور اصول،  
 زیادہ تر ملک کی زرعی معاشیات کے اصولوں پر اساس رکھتے ہیں چنانچہ  
 آج کے جدید ہندو ماہرین معاشیات یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ اس  
 ملک کے لوگوں کی غربت کے مسائل کا خاطر خواہ حل یہ ہے کہ  
 ملک میں اچھی نسل کی گائے کی نسل افزائی کی جائے۔ یہ معاملہ  
 روزمرہ کی عام زندگی کے مشاہدہ کا ہے۔ اہل ہندو نے ابتدا  
 ہی سے رہنما اس سلسلہ میں گائے کا تقدس ملحوظ رکھا اور اس  
 اصول میں شدت اختیار کی مگر باوجود اس جائزہ مذہبی اعتدال  
 کے اور ہندوؤں کی پُر خلوص و عاجزانہ التماس کے معزز باپ کی نظر  
 کی قابل احترام عدالت نے جذبات و احساسات کا لحاظ رکھتے بغیر  
 وہ فیصلہ دیا جو مسلمانوں کے قانونی حق کے تحفظ میں تھا۔ یہ  
 فیصلہ عدالت موصوفہ نے مقدمہ نمبر 30/181 الہ آباد میں جاری  
 کیا اور یہی نظریہ کیس نمبر 105/162 میں ظاہر کیا گیا۔ اسی

نوبت کا ایک اور مقدمہ الہ آباد کی عدالت کو ۱۹۳۲ء میں  
 سننا پڑا جو ۱۹۳۳ء پر یوں مرقوم ہے کہ آنریبل سلیمان اور  
 سین (J.J.) نے لکھا کہ : ”اگرہ گائے کی قربانی ہندوؤں  
 کو انفرادی طور پر یا اجتماعی طور پر جرم لگتی ہے تو اس کام کو  
 قانون عام کے برعکس قرار نہیں دیا جاسکتا کیونکہ قانون کسی  
 کے ذاتی پسند و ناپسند جذبات کو ملحوظ خاطر نہیں لاتا بلکہ اس کا نفاذ  
 عمومی ہوتا ہے۔“ اس ضمن کے اور ایک کیس میں آنریبل سلیمان  
 اور نیک (J.J.) نے کہا کہ ہندوؤں کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے  
 سماج یا مذہبی جلوس ہر سڑک، گلی، بازار، شاہراہ عام سے  
 ڈھول باجوں کے ساتھ اپنے مذہبی رسومات بجالاتے ہوئے سڑکوں  
 کے قریب سے گزرا سکتے ہیں اور مسجد سے متعلقہ محمدان لوگ (مسلمان)  
 یہ حق ہر گز نہیں رکھتے کہ وہ ایسے مقامات پر جلوس کو روکنے کا  
 مطالبہ کریں یا ایسی کوئی کارروائی کریں کیونکہ اس طرح کی رکاوٹ  
 یا پابندی پھر اسی طرح ہندوؤں کے لئے دل آزار ہوگی جس طرح  
 کہ مسلمانوں کے لئے اب ہے۔“

چنانچہ معزز عدالت نے اس مقدمہ کا فیصلہ کرتے ہوئے

فرمایا کہ : ”عبادت گاہوں کے سامنے سے جلوس گزانا

”مساجد اور مندر جہاں کہ گزرا گاہوں پر واقع ہیں ان میں کیمن  
 عبادت گہاڑوں کو ہر گز یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ شرکاء جلوس

کو مجبور کریں کہ وہ اپنے شادیانے مسجد یا مندر کے قریب سے گزرتے ہوئے بند کر دیں کہ وہ اندر عبادت میں منصرف ہوتے ہیں بلکہ ایسا میوزک چاہے وہ مذہبی ہو یا نہ ہو اور وہ کسی بھی طبقہ یا اہل مذہب کے نزدیک قابل اعتراض ہو۔ قانون کی نگاہ میں ایسے اعتراض کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ اور معتز ضیمن کو ایسا اعتراض کرنے کا قانونی حق ہی حاصل نہیں ہے۔ کیونکہ اس طرح کی موسیقی کو بند کرنے پر اہل جلوہس کے جذبات اسی طرح مجروح ہوتے ہیں جس طرح کہ اب یا بندہ ہی عالمہ کرنے کا مطالبہ اٹھانے والوں کے ہوتے ہیں۔ چنانچہ ایسی صورت حال میں اس طرح کے جلوہسوں کو قطعی طور پر روکا نہیں جاسکتا۔ اسی فیصلہ کے دوران ایک اور مقام پر حضرت علامت فرماتی ہے کہ ”ہر طرح کی موسیقی اچھی یا برسی کسی طرح بھی عمومی انتشار یا خصوصی انتشار پیدا نہیں کرتی البتہ اس سے گلیوں، بازاروں میں رہائشی مکانات کے مالکوں کو تکلیف ہو سکتی ہے۔“ انھوں نے مزید کہا: ”دھول باجوں کے ساتھ جلوہس نکالنا چاہے وہ مذہبی نوعیت کا ہو یا نہ ہو یہ بات شہری حق میں داخل ہے جو ہر کسی اقلیت کو ہوتا ہے مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ شاہراہ عام کو عبادت گاہ کے مترادف سمجھ کر استعمال کرنا شروع کر دیا جائے۔ ہر فرقے کے لوگ عام گلیوں میں اپنے جلوہس گزرا سکتے ہیں بشرطیکہ وہ دوران گزر وراں کے باشندوں کو کسی طرح کی عداوت کی شکایت کا موقع نہ دیں۔ چنانچہ نہ نہ بحث تنازعہ میں معتز ضیمن



کو اس قسم کا کوئی اعتراض نہیں ہے کہ اہل جلیوس نے گزرتے ہوئے کسی طرے کی مداخلت کر کے ان کو نالاں کیا ہو۔ نہ ہی مدعیان نے یہ نکتہ اٹھایا ہے کہ ان کے جلیوس میوزک اور لعن یا طبل اور تانہ کے لئے گلیوں میں اہل محلہ کوئی مزاحمتی دخل اندازی پیدا کرتے ہیں بلکہ مخالف فریق کا شکوہ صرف یہ ہے کہ سارا کچھ اسلام کے برعکس ہے جسے بجا لاکر شیعہ چون پور کے سنیوں اور نا صبیوں کے مذہبی جذبات کو ٹھیس لگاتے ہیں۔ جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا کہ اعلیٰ عدالتوں نے سمجھا ہے کہ اس قسم کے اعتراض قطعاً بے بنیاد ہوتے ہیں اور ان قانونی حقوق کے سامنے ان کی کچھ حقیقت نہیں ہوا کرتی جو کہ لوام الناس کے لئے عمومی طور پر ملک کی سر زمین پر نافذ کئے جاتے ہیں۔ لہذا میں شہادت و حقائق کی بنیاد پر بلا کر تحریر کرتا ہوں کہ مدعا علیہان کے تمام اعتراضات مذہبی یا جذباتی کیفیات پر مبنی ہیں جو کہ بے اساس و بے وقعت ہیں۔ ایک اور مقدمہ جو سال ۱۹۷۲ء میں بیچ ڈویژن نے آنریبل مگر جی اور سینٹ (J.J) نے سنا جس کی نمبر نمبر 6-ALJ ہے اور اسے 638 صفحہ پر نقل کیا گیا ہے۔ عالی جناب مگر جی تحریر کرتے ہیں کہ "قانونی عدالت میں بنیادی طور پر کسی مقدمہ کا فیصلہ شہری حقوق کی روشنی میں کیا جاتا ہے۔ اور شہری حقوق کسی صورت سے کسی کے کسی بھی قسم کے جذبات کے تابع نہیں ہوتے جو کہ ملک میں آباد ہوں۔ عدالت لکھتی ہے کہ: "ملک میں آباد ہر شہری کو اپنی طرز پر عبادت کرنے کا حق ہے۔ ہر کوئی اپنے طریقہ کار سے

جلوس نکالنے کا مستحق ہے۔ بشرطیکہ اس کے ایسا کرنے سے کسی دوسرے  
 کے شہری مدنی حقوق بریاد نہ ہوں۔ صفحہ ۶۴۹ پر معزز عدالت کی  
 دھماکت مرقوم ہے کہ افسس کی کارگزاری جو کہ عمومی یا خصوصی انتظام  
 کا سبب ہو وہ غیر قانونی ہوگی۔ عمومی انتشار کی تشریح تعزیرات  
 ہند کی دفعہ ۲۶۸ میں موجود ہے اور معزز عدالت نے اس دفعہ  
 کا تجزیہ بڑے محتاط انداز میں کیا ہے اور لکھا ہے کہ: "اس قسم کی  
 دفعات کو عمومی طور پر یہ سلیبوں نے اپنی توجہ کا مرکز نہیں کیا ہے مگر  
 وہ دراصل ان کے حقیقی معنوں سے دور ہٹ گئے ہیں۔ اور ان  
 اعتراض عمومی انتشار سے منطبق و موافق نہیں قرار پاتا ہے۔" محترم  
 عدالت صفحہ مذکورہ ہی پر لکھتی ہے کہ: "اس معاملہ پر جو کچھ  
 بھی کہا جائے ہر حال حقیقت یہ ہے کہ مدعیوں کا موقف ان خود  
 ایک نئی پیچیدگی اور مشکل پیدا کرتا ہے کیونکہ جب یہ سجد میں نمائندہ  
 بڑھنے کے لئے آتے ہیں۔ تب بھی ان کے اختیار کردہ موقع  
 کے مطابق دفعہ ۲۶۸ تعزیرات ہند ان ہی کے خلاف جاتی  
 ہے۔ جب ہم اس دفعہ کو غور سے پڑھتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا  
 ہے کہ اس طرح کی تکلیف دہی یا ناگواری "در حقیقت مذکورہ  
 دفعہ کا مقصد و مطلب نہیں ہے۔ یعنی لوگوں کے غمگینی  
 خیالات یا مختلف نظریات جو دوسروں کے برعکس ہوں۔ ظاہر  
 ہے کہ ہر مخالفت کو دوسرے کا نظریہ بڑھانے کا اور اس سے اس  
 کے ذاتی جذبات کو ٹھیس پہنچے گی۔ حالانکہ قانونی شکل اس طرح  
 کی ہرگز نہیں ہے۔ چنانچہ معزز عدالت نے اس طرح کے





کو یہ حق دیا جاسکے کہ وہ شیعہ مدعیان کے بارے میں اس شکایت  
پر کہ مدعیان کے عمل سے ان کے مذہبی احساسات اور شیعوں کو  
کے مذہبی جذبات کو ٹھوکر لگتی ہے اور شیعوں کا یہ طرہ عمل مذہبی  
حفاظ سے ان کے لئے باعث تکلیف ہے اس لئے ان پر پابندی لگائی  
جائے۔!

اس سلسلہ میں کافی کچھ کہا جا چکا ہے۔ لہذا بیان کردہ فیصلوں  
کی روشنی میں یہ بات یا یہ ثبوت منکسہ کیجی کہ تمام گمز و گاہیں  
عوام کے کسی مکتب فکر کے مذہبی یا سماجی جھگڑے میں نہ لک اور  
الحاقی شدہ و فغان یا کوئی اور طریقہ کار جو بھی رائج ہو جس  
طرح کہ اس مقدمہ میں مستغنیہ فریق نے استدعا کئے ہیں کہ لئے  
منوع قرار نہیں دی جاسکتی ہیں۔ بیلک کلی یا سٹک اصل  
میں بیلک ہی کے استعمال کے لئے ہوتی ہے۔ اس طرح کے شانہ عا  
(جیسا کہ ادبہ بیان کئے گئے ہیں) کی روشنی میں عوام کے ہر طبقہ  
کو قانونی طور پر پورا پورا حق حاصل ہے کہ وہ عام کلی شاہراہ کو  
ان مخصوص مقاصد کے لئے استعمال کر سکے جو کہ درخواست گزاروں  
نے مطالبہ کئے ہیں۔ جیسا کہ ہم نے بڑی سنجیدگی سے بحث کی ہے ہم  
اس کی نوعیت اور وسعت قانون اور حق کے مطالعہ کی مدد سے  
اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ قانونی نکتہ جو اس میں قابل توجہ ہو سکتا  
ہے وہ صرف یہ ہے کہ جسے ہم مندرجہ ذیل قانونی تصریحات قائم  
کر کے اب بیان کرتے ہیں۔ اودھان کا جائزہ ان فیصلوں کی روشنی  
میں لیتے ہیں جو اس طرح کے معاملات میں عدالتوں نے کئے ہیں۔

میں ان ہی فیصلوں کو اپنے اس کیس کی بنیاد قرار دینا پسند کرتا ہوں  
**”شارع عام کے جلوس گزارنا پبلک کا حق ہے“**

دایا پبلک کے ہر طبقے کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنا مذہبی یا سماجی  
 جلوس اپنی رسم و رواج کے مطابق جن میں موسیقی، تقاریر، تشدید  
 جو کچھ بھی وہ اپنے اس مقصد کی بجائے کسی کے لئے مناسب خیال  
 کریں کے ساتھ سڑکوں یا گلیوں پر سے گزر سکتے ہیں۔ (بحوالہ نمبر  
 ALJ: 354, 357, 1931ء، ALJ: 179, 180, 23

(ALJ: 624)

**کوئی طبقہ جلوس نکالنے پر اعتراض کر نہ سکتا ہے**

(۲) پبلک کا کوئی بھی دوسرا طبقہ اس طرح کے جلوس نکالنے  
 پر اعتراض کرنے کا مجاز نہیں ہے۔ بچا ہے اہل جلوس کی مذہبی یا  
 دیگر تقاریر یا موسیقی یا تشدید یا تقاریر جو کچھ بھی اس طبقہ میں  
 بہت زیادہ عمل ہوں اور یہ طریقہ عمل اعتراض کرنے والوں کے مذہبی عقائد  
 کے برخلاف ہو اور اس سے ان کے مذہبی احساسات کو ٹھیس  
 پہنچتی ہو۔ یا کسی کی دل آواز کی ہوتی ہو۔ بلکہ کسی بھی طبقہ  
 کے اس نوعیت کے اعتراضات اس صورت میں قابل توجہ ہو سکتے  
 ہیں جب جلوس، مذہبی مراسم یا موسیقی یا تقاریر عوامی انتشار کا

آواز کی بلند سی، شعور کے جواب میں شعور، گیت، ترانہ

موجب ہوں یا ارضی قانون کے مطابق جرم کی نوعیت رکھتے ہوں۔  
یا قانونی حقیقت پر مبنی کسی حقیقی نقصان وہ سبب کے پیدا  
کرنے کا باعث ہوں۔ (نکوالہ ۱۹۳۱، ۳۲ و ۱۷۹ ALJ،  
ALJ 3۵/354 لاہور، ۱۸۱، 431 ALJ 6۲4 صفحہ  
639 سے (64)

قانونی تجزیہ کا منطقی نتیجہ یہ حاصل ہوتا ہے کہ آیا شیعوں  
کے وہ افعال جن پر کہ فریق مخالف نے اعتراض کیا ہے کیا  
کسی حقیقی عوامی تکلیف کا باعث ہوتے ہیں؟ وہ نہ مرہ جرم  
میں شمار ہو سکتے ہیں؟ یا ان افعال سے مدعا علیہان کے  
اصلی حقوق فی الواقعہ ٹخنہ دیش ہوتے ہیں؟ — قانونی نقطہ  
نکاح سے تو زیادہ سے زیادہ مستغیث کے افعال کو اگر بالفرض  
حال جرم تصور بھی کر لیا جائے تو یہ جرم کسی حالت میں بھی  
قانون ارضی کی دفعات میں سے کسی دفعہ کی خلاف ورزی  
نہیں ہے۔ بلکہ دفعہ 68 و تکلیف دہی 153/۱۵۳ سے 295A  
اور 68 و تعزیرات ہند کے تحت فرض کے جاسکتے ہیں۔ قبل  
اس کے کہ میں ان دفعات کا تجزیہ کروں کہ آیا یہ دفعات  
بھی اس قسم و نوعیت کے تنازعات میں لاگو ہوتی ہیں کہ انہیں  
ضروری سمجھتا ہوں کہ ان حقائق کو منکشف کروں جو مقدمہ  
کے ثوابد سے ماخوذ ہوتے ہیں۔ تاکہ صحیح نتیجہ پر پہنچا جاسکے۔  
اور دیکھا جائے کہ شیعوں کے جن افعال پر اپنی صفائی کرنے  
اعتراض کیا ہے ان کی صحیح نوعیت کیا ہے محض مدعا علیہان



کے یہ کہہ دینے سے کہ شیعوں کو ایسے جلسوں میں ممانعت دینا غرضی و  
 طبل و تاشہ کے ساتھ نکالنے کا حق نہیں ہے۔ بات نہیں  
 بنتی ہے۔ ہاں ان لوگوں کو اصل اعتراض شیعہ کی طرف سے  
 متبرک ابوبکرؓ ہے یعنی قاتلین حسینؑ کی بدعت یعنی کرنا یا ان کے تین  
 خلفاء کے ساتھ ایسا طرز عمل اختیار کرنا اور یہ بات ہر  
 صحیح الدماغ شخص کے نزدیک ایک اہم نکتہ ہے جو کہ فیصلہ  
 طلب ہے۔ حاضر کیمیں کے بارے میں اس بات سے انکار  
 نہیں ہو سکتا کہ یہ معاملہ آسان نہیں ہے۔

## متبرک اور بے زاری

میں اس سے جتنی اسلامی تاریخ کے ابتدائی زمانے کی تفصیلاً  
 بیان کر چکا ہوں اور بتا چکا ہوں کہ کن تاریخی مسابحات اور  
 بنیادی اختلافات نے شیعہ و سنی یا انصاری فرقوں کو اپنی  
 لپیٹ میں لے رکھا ہے۔ چنانچہ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ  
 شیعہ یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ پہلے تین خلیفہ ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ  
 بلا استحقاق مسلمہ خلافت پر مشغول ہوئے جبکہ خلافت کا اگر  
 کوئی صحیح حقدار ہے تو وہ علی بن ابیطالبؓ کی ذات تھی۔ اہل  
 تشیع کا یہ اعتقاد ہے کہ پہلے تینوں خلیفے علیؓ، اولاد علیؓ اور  
 اہلبیت رسولؐ کے حریف تھے اور یہ کہ ان کے عہد حکومت میں  
 یہ بالکل ہی اختیار کی گئی کہ اہل بیتؑ کے حقوق کو دیا یا  
 جائے (حقیقی دارالتخت) علیؓ کو خداوند میں مبتلا رکھا

جائے چنانچہ اسی پالیسی کے نتیجے میں کہ بلا کا المناک واقعہ پیش  
آیا۔ لہذا اس راسخ نظریہ کے باعث شیعہ ان تینوں حضرات  
کو ناپسند کرتے ہیں۔ ان سے بے نہ اسی کا اظہار کرتے ہیں۔  
اور اپنا اصلی دشمن سمجھتے ہیں اس لئے وہ ان سے برائیت کرتے  
ہیں یہ بات اسلامی تاریخ میں ہر طرح کے شک و شبہ سے پاک  
ہے کہ حسینؑ ایک ممتاز ترین شخصیت تھے مسلم عقیدہ کے مطابق  
بہت بڑے پیر و تھے، ہو سکتا ہے وہ میدان سیاست کے شہسود  
نہ ہوں یا سرکاری لحاظ سے شکست خوردہ ہوں۔ ان کا  
صائب الرائے نہ ہونا یا فیصلہ کرنے میں غلط کر جانا اور ان میں  
ظاہری قابلیت کا فقدان ہونا کبھی بیان کیا گیا ہے جیسا کہ  
ایک فرانسیسی مصنف مسٹر مارسل ایچ لا مونس نے ان خامیوں  
کو ان سے منسوب کر کے لکھا ہے۔ اور ان پر ایسے الزامات  
دیا ہوا ہے کہ وہ دیکھے نہیں مثلاً یہ کہ وہ ضرورت سے زیادہ  
سیدھا سادہ شخص تھا اور ان میں سیاسی چالاکي و ہوشیار  
نہیں تھی وغیرہ جس طرح کہ بعض مورخین نے بیان کیا ہے لیکن  
یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ امام حسینؑ مسلمانوں کی تاریخ میں  
متفقہ طور پر ایک مقدس ترین بزرگ اور بہت بڑے روحانی  
پیر و مانے گئے ہیں۔ اور اس بات سے کوئی انکار نہیں کر سکتا  
ہے کہ وہ پیغمبرؐ کے نواسہ اور آنحضرتؐ کے چیمپے اور آپؐ کو بہت  
نزدیکہ محبوب تھے اور ان ہی سے رسولؐ کا شجرہ نسل جاری ہوا۔  
ان کو ایسے حالات میں شہ تیغ کیا گیا کہ جن کا بیان سن کر پھر سے پھر دل

موسم کی مانند پھیل جاتا ہے اور کہہ بلا کی المناک کہانی دردناک  
 قصہ سب کو غم و حزن میں مبتلا کر دیتا ہے۔ شیعہ عقائد میں سے  
 یہ ایک نمایاں عقیدہ ہے کہ حسین خلیفہ برحق تھے۔ وہ اپنے پدر بزرگوار  
 علیؑ کے جانشین اپنے برادر عالی قدر کے ولیعهد تھے جبکہ معاویہ  
 بن ابوسفیان ایک باغی و غاصب حکمران تھا جس نے غیر منصفانہ  
 طریقہ سے بدرعہد ہی کر کے اپنے بیٹے یزید بن معاویہ کو بادشاہ  
 بنا دیا۔ اس کے حامیوں نے اسلام اور اہل بیتؑ رسولؐ اسلام  
 کے ساتھ بے انصافی کی شیعہوں کے بیان کردہ نظریات معتبر ترین  
 تاریخی حقائق سے سچے ثابت ہوتے ہیں۔ اس بات میں تو رتی برابر  
 شبہ نہیں ہے کہ معاویہ جو کہ محمدؐ اور ان کے اسلام کے بدترین  
 دشمن ابوسفیان کا بیٹا تھا اور پھر اس کا بیٹا یزید بن معاویہ  
 ہمیشہ ہی بیغبر اسلام اور آپؐ کے مشن کے خلاف رہے۔ ان  
 لوگوں نے چند مصلحتوں کی خاطر پیغمبرؐ کے دین اور آپؐ کے اقتدار  
 کی مضبوطی کو دیکھتے ہوئے کلمہ اسلام بٹھا دیا۔ چنانچہ اس بات کا  
 اظہار وہ آزادانہ طریقے اور کھلے الفاظ میں خود کر دیا کرتے تھے  
 یزید اور معاویہ کا کہہ دار، ان لوگوں کے سیاہ کار نامے تاریخ  
 اسلام کی معتبر کتابوں میں موجود ہیں۔ اور قتل حسینؑ۔ تو  
 بلا شک و شبہ انتہائی دلوں کو چکنا چور کر دینے والا ان کا  
 وحشیانہ قدم ہے۔ معاویہ وہ شخص تھا کہ جس نے خلیفہ اول  
 ابو بکرؓ کے بیٹے محمدؓ کو گدھے کی کھال میں بند کر کے زندہ جلا دیا  
 تھا۔ معاویہ وہ منافق آدمی تھا جس نے حضرت عائشہؓ کو اپنے



ہاں کھانے کی دعوت پر بلوایا۔ ایک گھر سے گڑھے کے اوپر کرسی رکھ کر ان کو اس پر بٹھایا جسے بچے سے کھینچ لیا گیا اور بی بی صاحبہ کو ہلاک کر دیا۔ صرف اس معمولی وجہ پر کہ بی بی عائشہ نے معاویہ کے بیٹے یزید کی نامزدگی پر اعتراض کیا تھا اور اس کی سختی فرمائی تھی۔ ان حقائق کی روشنی میں اور تاریخی مواد کی موجودگی میں اس نتیجہ پر پہنچ جانا فطری امر ہے کہ معاویہ، یزید اور قاتلان حسینؑ انتہائی گمراہ ہوئے آدمی تھے جنہیں میرا بیان کہ وہ یہی نظریہ شیعہ ان لوگوں کے بارے میں رکھتے ہیں۔ شیعہ اس نظریہ پر ماضی میں کئی صدیوں سے چلے آ رہے ہیں ان کی نفرت جو سینکڑوں سال پرانی ہے آج صدیوں بعد کسی کے لئے دلائل قاری نہیں بن سکتی ہے شیعہوں کے نزدیک یزید "قتل حسین" کا پہلا مجرم ہے اور پہلے تین خلیفہ اصل اصول کے لحاظ سے اس ناگہاں جگہ پر اس واقعہ کے معاون ہیں۔ چنانچہ شیعہ جو اپنے تعزیر کے جلسوں نکالتے ہیں ان میں روتے ہیں اس سیمینہ ذنی کرتے ہیں بیٹھے ہیں۔ یہ رواج آریہ ان دہندوستان میں باقاعدگی کے ساتھ سوتھوڑی صدی سے جاری ہے۔ ملاحظہ فرمائیے کتاب "گولڈن ڈیڈز آف امام حسین ص ۱ اور ص ۲۔ یہ ایک تاریخی معاملہ ہے کہ اس سے کچھ لوگ انکار بھی کر سکتے ہیں مگر اسی کے ساتھ یہ ایک عام تجربہ و مشاہدہ بھی ہے یہ جانی پہچانی حقیقت ہے اور ہم میں موجود ضعیف اکثر لوگوں نے بحیثیت خود دیکھا ہے کہ تعزیر داری۔ آہ و زاری، ماتم داری کے جلسوں شہر و راع ہی سے براہ

ہوتے آ رہے ہیں اور ہم بچپن ہی سے شیعوں کو ان رسومات کو بجا لاتے ہوئے دیکھتے چلے آ رہے ہیں، تعزیر اس کے سوا کیا ہے؟ کہ شہداء کے کربلا کی مراثی کی شبیہ ہے۔ مرثیے میں روئے پیٹے ہوئے واقعات کربلا کے حالات کی نظمیں پڑھی جاتی ہیں جن میں مختلف قسم کے ایسے دل سوز، جگر خراش اور ہمہ ردی خواہ وقتے بیان کئے جاتے ہیں جن میں ان حالات کی تفصیل ہوتی ہے کہ حسینؑ اور ان کے بہتر ساتھیوں کو یزید کی کثیر التعداد فوج نے کس طرح طرح عالم بے بسی میں موت کے گھاٹ اتار دیا یہ شیعہ لوگ سنگے پاؤں، برہنہ سر، اپنے سینوں کو پیٹتے ہوئے اپنے اس پیر و کے غم میں شدت کے ساتھ مبتلا ہو کر جلوس کی شکل میں سڑکوں اور بازاروں میں آ جاتے ہیں۔ کیا ہم ملی سے کوئی ایک بھی شخص یہ خیال کر سکتا ہے کہ شیعہ لوگ یہ سارا کچھ محض ایک ڈرامہ کھیل رہے ہیں؟

## رسومات عزاداری کھیل تماشہ نہیں

چاہیہ کہ ان کا مقصد تنبیہ یا نا صبیوں کے احساسات کو بوجھ روح کرنا یا ان کے جذبات کو کھٹیس رگانا یا کسی کی دل زاری کرنا یا کسی کو ہڑانا ہے۔ ایسا ہرگز نہیں۔ کوئی شخص بھی اس بات پر یقین نہ کرے گا۔ شیعہ اپنا جلوس لے جاتے وقت نہوتے ہیں ان کے ساتھ شبیہ ہیں اور مقدس نشانات علم وغیرہ ہوتے ہیں وہ مصیبت کے حالات کی کہانی،

اس سانچے کے اسباب اور المناک حادثات کی روئیدار بیان کرتے ہیں۔ یہ شیعہ تاریخ کا دردناک باب ہے جس کا منطقی نتیجہ شخص یہ ہے کہ یہ سب کچھ صرف حسینؑ کے قاتلوں کی اور ان پر دھماکے کے ظلم کی مذمت کا اظہار کرنے کے لئے کیا جاتا ہے۔

اور وہ لوگ جو ظلم سے بھرپور اس حادثہ کے ذمہ دار ہیں، ان کے خلاف احتجاج ہے اور یہ ناممکن ہے کہ ان آدمیوں کی مذمت اور ظالموں سے نفرت کے بغیر شہادت امام حسینؑ کی یادگار منائی جاسکے۔ کیونکہ اس کے بغیر احتجاج کا مقصد مکمل طور پر غیر موثر رہ جاتا ہے کسی ڈرامہ کی تصویر اس وقت تک پایہ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتی جب تک کہ اس کی کہانی کے واقعات کو مناسب طریقہ کے ساتھ اس کے اصلی رنگوں میں پیش نہ کر دیا جائے۔ آپ قتل حسینؑ کے واقعہ کی یادگار اس کے بغیر کیسے مناسکتے ہیں جب تک کہ آپ ان آدمیوں کے کہ داروں کو واضح نہ کریں جنہوں نے کہ ان کے قتل میں حصہ لیا نیز یہ نہ بتائیں کہ وہ مجرم کس خلعت کے آدمی تھے؟ اور یہ کہ وہ لوگ قابل نفرت تھے یا نہیں۔

**قاتلین حسینؑ کی مذمت** | الفرض یہ نہیں کہا جاسکتا کہ شیعوں کا

یہ شعار کہ وہ قاتلان حسینؑ کی مذمت کرتے ہیں اور ان کے فعل بد پر ان کو برا کہتے ہیں تو ان کے ایسا کرنے سے تین خلیفوں پر زور منقید پڑتی ہے۔ شیعہ عقائد کی گہری جڑیں



اور ان کے ایمان کی مستحکم بنیاد جو کہ صدیوں پرانی روایات سے ثابت ہے معتبر ضیق کے موقف کے برعکس ہیں کسی پر لعن طعن کرنا اس کے سوا کچھ نہیں ہوتا ہے کہ ایک حقیقت کے لئے تاثرات کا اظہار ہے کہ خدا اس قماش کے لوگوں کو اپنی رحمت سے دور رکھے۔ یہ تجویز محض بارگاہ ربانی میں ایک دعا ہے کہ وہ ذات عادل ایسے ظالموں کو قرار واقعی سزا دے۔ چنانچہ لعنت کرنے میں قاتلان حسین یا تین خلفاء کو اس کے علاوہ کچھ نہیں کہا جاتا اس کے سوا شیعوں کے لئے اور کوئی پیرامن راہ ہو سکتی ہے کہ وہ اپنے ان تاریخی زخموں کے خلاف جو کہ ان کے بزرگوں پر بڑی کمینگی اور دنا انصافی سے دگائے گئے کہ وہ اپنے بہروردگار کے حضور میں روز آخرت کا انصاف طلب کریں۔ چنانچہ یہ ایک الگ حقیقت ہے کہ کچھ لوگ اس بات کو پسند نہیں کرتے جو شیعہ کہتے ہیں۔ درہم الخالی کہ یہ شیعوں کا حق ہے جیسا کہ میں وضاحت کے ساتھ پہلے بیان کر چکا ہوں۔ علیٰ ہذا میں ان لوگوں میں کا ایک شخص ہوں جو اس نظریہ کی مخالفت کرتا ہوں کہ ”اللہ کی بارگاہ میں استدعا کرنا کہ وہ ایسے برے لوگوں سے اپنی اچھی رحمت کو دور رکھے، کو ناپسند کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ کوئی سزا تو نہیں ہے۔ اور دیکھو کہ ایسا ناممکن ہے کہ یہ یقین ہو کہ خدا لازمی طور پر یہ بددعا منظور کرے گا جو کہ شیعہ کہتے ہیں۔ یا یہ کہ میں خود بددعا قیامت اپنے اثر و کار کو استعمال میں لا کر اس معاملہ میں دخل اندازی کریں گے۔

المختصر مجھے ایسی کوئی مضبوط عینا درستیاب نہیں ہوتی جس کی  
 بنائے سستی یا نا صبی محض ایک تخیلاتی امر یا دعا گوئی کے باعث  
 اپنی طرف سے کوئی مذہبی اعتراض وضع کر سکیں۔ جہاں تک  
 دیگر سستیوں کے اعتراضات کا تعلق ہے جو کہ انہوں نے اپنے  
 تحریری بیانات میں لکھے ہیں، جنہیں میں گزشتہ صفحات میں  
 دہرایا چکا ہوں انہیں نکتہ دار ایک ایک کر کے میزان جائزہ پر  
 جانچیں۔

(۱) سستیوں کی پہلی شکایت یہ ہے کہ  
**لعن و طعن** شیعہ جلوس نے جلتے وقت خفیہ طور

پر تین خلیفوں پر لعنت کرتے ہیں جو کہ غیر قانونی ہے اور اس  
 بات کی ان کو اجازت نہ ہونا چاہیے۔ یہ سستیوں کا خود اپنا  
 افتداری ہے کہ یہ کام شیعہ پوشیدہ طور پر کرتے ہیں اس طرح کہ  
 ان کی آواز ٹھہروں کی آواز کے شور میں گم ہو جاتی ہے اس  
 طرح وہ سارے راستے تمام دنیا میں حسین کے قاتلوں پر لعنت  
 کرتے ہیں اور سستیوں کا یہ بھی مطالبہ ہے کہ شیعہوں کو تین خلفاء پر  
 شامع عام قابل سماعت لعن کرنے کی اجازت نہ نہیں ہونی  
 چاہیے۔ میرے خیال میں یہ اعتراض بالکل غیر سنجیدہ ہے کیونکہ  
 ہر شخص کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ ہر وہ بات کہے جو اس کے عقد  
 میں آئے خواہ دوسرے لوگ اس کو سن رہے ہوں۔ اس  
 بحث کے لئے نکتہ بالکل صاف ہے۔ علاوہ انہیں یہ کہ جس طرح  
 ادھر بیان کیا گیا کہ شیعہ کو استحقاق پہنچتا ہے کہ وہ تین خلیفوں

سے بے زاری اختیار کریں کیونکہ ان کے پُر خلوص اور جانے بچانے  
مذہبی عقیدے کی رُو سے وہ اسی قابل ہیں۔ لہذا سنیوں  
اور ناصبیوں کو ان پر اعتراض کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں  
جبکہ نہ ہی اس طرز عمل سے ان کی کوئی مذہبی دل آزاری  
ہوتی ہے نہ ان کے جذبات کو ٹھیس لگ سکتی ہے، علی  
ہذا القیاس عام گنہگاروں اور بیلک شاہزادوں پر بھی  
آزار میں تین خلیفوں پر شیعوں کا نفس کرنا (قاتلونا) جائز  
ہے۔ انہیں اس بات کا حق حاصل ہے (جبکہ یہ مطالبہ نہیں کیا گیا  
مذہبی توجیح

## عذر رشتہ داری پیغمبر

سے کچھ لوگ حضرت علیؑ یا حضرت رسولؐ کے رشتہ دار تھے  
یابہ کہ وہ بھی کلمہ گو مسلمان تھے تو یہ اس کی بنیاد نہیں بنتی  
کہ ان پر لعنت نہ کی جائے جبکہ یہ یقین کیا جاتا ہے کہ وہ قتل حسین میں  
مکوث تھے اور واقعی مجرم تھے۔ اس طرح تو ابوسفیان اور معاویہ  
بھی رسولؐ کے دُور سے رشتہ دار ہوتے ہیں کیونکہ یہ سب عرب  
کے ایک ہی قبیلہ قریش سے تعلق رکھتے تھے۔ مگر اس قرابتِ داری  
کے باوجود ان لوگوں نے ساری زندگی اسلام اور پیغمبر اسلامؐ  
کو تباہ و برباد کرنے کے لئے وقف کر رکھی تھی۔ کیا ہم یہ کہہ سکتے  
ہیں کہ رشتہ داری کی اس حقیقت کے سہارے ان کی مخالفت

و اس سبب رشتہ قریشی تھا کہ ابوسفیان حضرت کا سرورِ مہار و سیادت تھا۔

کار روایتوں کی خدمت نہ کی جائے۔ ۹  
**ناصبی طبقہ** (۱۰) اس قصبہ میں ناصبی آبادی کا وجود  
 مشکوک ہے۔ میرا فہم ہے کہ ناصبیوں

کے وجود کا مسئلہ اس وجہ سے وضع کیا گیا ہے کہ جہاں تک  
 مذہبِ شیعہ کا تعلق ہے اس کی رو سے شاید ہی کوئی مذہبی  
 جواز یا قانونی اساس ایسی ہو جس کی بنا پر شہداء کے کبر بلا  
 کے قاتلوں پر لعنت کرنے پر اعتراض کرنے کا عندر تلاش کیا  
 جاسکے۔ واضح رہے کہ مقدمہ مہذاب میں شیعہوں نے تین غلیظوں  
 پر لعنت کرنے کی اجازت طلب نہیں کی ہے (کہ جس پر بحث ہو)  
 بلکہ اس معاملہ میں شیعہ کے خلاف کوئی ممانعت وارد نہیں  
 ہونی چاہیے کہ وہ قاتلانِ حسین پر لعنت کریں کیونکہ خلفاء  
 مذکورین کا اس میں کوئی تعلق نہیں پایا جاتا۔ رہ گیا  
 سنیوں کے خدشے کا تعلق تو سنی حضرات اس سے محفوظ  
 رہے خاطر ہیں۔

تحریری بیان میں سنی فرقے نے یہ بات بالوضاحت بیان  
 نہیں کی ہے کہ جو بنو ر کے علاقہ میں کوئی ایسا طبقہ موجود  
 ہے جو کہ ناصبی کہلاتا ہو اور وہ معاویہ و یزید کو ایسا مذہبی  
 پیشوا ماننا ہو۔ انھوں نے صرف اشارۃً فرض کیا ہے کہ  
 جو بنو ر میں ایک گروہ ایسا بھی ہے جو یزید اور دیگر قاتلینِ  
 حسین کو اپنے دینی بزرگ قرار دیتا ہے اور یہی مفروضہ  
 ان کے زعم میں نقص امن کے خدشہ کا سبب سمجھا ہے۔ اس ضمن



میں صرف ایک گواہ عبدالعزیز نامی پیش کیا گیا ہے جس نے خود  
 کو شیعہ بنی امیہ سے متصف کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اس کی  
 جماعت کے دشمن یعنی شیعہ (امامیہ) ان کو ناصبی کہتے ہیں۔  
 عبدالعزیز نے کہتا ہے کہ وہ یہ نہ دیکھ سکا کہ اپنا امام اور خلیفہ  
 مانا ہے اور دیگر قائلین حسین اور یزید کے مددگاروں کو غازی  
 مجاہد اور انصار تسلیم کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اگر ان سات  
 اشخاص میں سے کسی کا اوپر مذکور کیا جا چکا ہے یا ان میں سے کسی  
 ایک شخص پر بھی لعنت کی جاتی ہے تو اس کے اور اس کے  
 ہمناؤں کے مذہبی جذبات کو ٹھیس پہنچتی ہے اور اس  
 اشتعال پیدا ہوتا ہے۔ گواہ مذکور کا دعویٰ ہے کہ جو بنو ہاشم  
 اس کے ہم خیالوں کی تعداد ایک ہزار سے بارہ سو تک موجود  
 ہے۔ یہ شخص ایک مدرسہ میں پیش رو ہے، ہزار کا معمولی ملازم  
 ہے۔ اور یہ چندہ جمع کرنے کا کام کرتا ہے۔ یہ اس سے پہلے  
 اہل سنت کے زیر انتظام ایک تعلیم خانہ میں دس روئے ماہانہ  
 تنخواہ پر ملازم رہا ہے۔ یہ گواہ کوئی معتبر شہادت یا کوئی کتابی  
 معتبر خبر نقلی پیش نہیں کر سکا ہے جس سے اس کا عقیدہ  
 اس ہی کی جماعت یا طبقہ سے ثابت ہو سکے۔ بعض دوسرے  
 گواہوں نے بھی جو بنو ہاشم ناصبیوں کی موجودگی کا تذکرہ کیا ہے  
 چنانچہ اس گوشہ کا سب سے دلچسپ پہلو یہ ہے کہ رسم تبرہ بازی  
 جو بنو ہاشم کا فی برسوں سے جاری ہے اور ماضی کے اس طویل  
 عرصہ میں کبھی کسی ایک شخص ناصبی نے شیعہوں کے خلاف یہ شرکات

متعلقہ حکام بالانک اپنیں پہنچائی ہے کہ اس رسم کو بند کیا جائے۔  
 یہ سب قضیہ آج ہمارے ہی ذمہ سماعت ہے کہ کچھ شیعہ ان بنی امیہ  
 نے امامیہ شیعہوں کے خلاف یہ مطالبہ اٹھایا ہے کہ ان کو پورے جگہ  
 مرجعیت کی جائے کہ وہ ایسا جلوس برآمد کر سکیں جس میں امام حسین  
 کے قاتلوں کی مدح سرائی اور قصیدہ خوانی کی جاسکے۔ صرف  
 ایک سال پہلے گواہ عبدالعزیز کو اس کا احساس ہوا ہے اور  
 اس نے ایسا جلوس نکالنے کا خیال سوچا ہے۔

چنانچہ ان تمام امور نے مجھے اس نتیجے پر پہنچایا ہے کہ جو  
 میں لڑا صوبہ کے وجود کا موقف اور ایسے طبقہ کی موجودگی کہ جو  
 یزید اور اس کے ساتھی قاتلین حسین کو اپنا رہبر مانتا ہو ناقابل  
 یقین بات ہے۔ چنانچہ میں محققانہ بنیاد پر اس بات کو مسترد  
 کرتا ہوں کہ جو نیورٹس تو اہلبیاب یا اس طرز کے عقائد کی حامل  
 دینی جماعت وجود پذیر نہ ہو۔ بالفرض محال اگر یہ تسلیم کر لیا جا  
 ۱۹۳۸ء کے جو نیورٹس ایسے لوگ رہائش پذیر ہیں جو کہ نہ بد کہ اپنا پیشوا  
 مانتے ہیں اور قاتلین حسین پر لعنت کرنے سے ان کے منہ بھی  
 حساسات مجروح ہوتے ہیں تو میری رائے میں شہری قانون کے  
 اصول کی روشنی میں محترمتیں کے اس قسم کے اعتراض کی کوئی اہمیت  
 یا وقعت نہیں ہو سکتی ہے۔ اور ان لوگوں کو اس بات کی اجازت  
 ہرگز نہیں دی جاسکتی ہے کہ وہ شیعہوں کے مسلمہ قانونی حقوق

حل یہ ہندوستان میں ۱۹۳۸ء کی بات ہے اب انکا وجود پاکستان میں ملتا

میں ملا خلت کریں۔ میں نے مدعا علیہان کے اس شہادت کی بیان کا  
 بغور مطالعہ کیا ہے جو اس موضوع سے متعلق ہے۔ ان کا یہ را  
 موقف اور شہادتیں اس بات پر نہ دردیست ہیں کہ شیعہوں نے  
 جن قانونی حقوق کا مطالبہ کیا ہے ان کو یہ نہ کہہ دیئے ہیں کہ ان کی  
 دل آزاری ہوگی جس سے نقص امن کا اندیشہ ہے اور اسی بنیاد  
 پر سنی جاسکتے ہیں کہ شیعہ مدعیان کے مطالبوں کو رد کر دیا  
 جائے ان کو اس کا خیال نہیں ہے کہ اس صورت میں اہل  
 شیعہ کے حقیقی قانونی حقوق پر آسج آتی ہے۔ پھر مدعا علیہان  
 اپنے موقف کے سلسلہ میں یہ یقین بھی ظاہر نہ کر سکے کہ شیعہ  
 طرز عمل سے ان کے اپنے حقوق پر کیا صحت ہوتا ہے نیز یہ کہ  
 سنی اس بات کو بھی واضح نہ کر سکے کہ ان کو کیا حقیقی نقصان  
 پہنچتا ہے اور اس مفرت کا ثبوت فراہم کرنے سے قاصر  
 ہے۔ حقیقی نقصان سے قانونی مراد یہ ہے کہ اصلی، واضح و  
 قطعی ایسا عملی نقصان جو ارضی قانونی حق کو محسوس ہو۔ جو  
 نظریاتی، جذباتی یا مذہبی حق نہیں ہے۔ جیسا کہ میں بیان صدر  
 میں اس نکتہ پر سیر حاصل رہو شنی ڈال چکا ہوں اور یہی  
 بات کہ دو عدالتی فیصلوں کی تقہیر سے مستحکم کر چکا ہوں۔  
 پس مدعا علیہان کے موقف کو اس نکتہ کی روش سے بھی کافی  
 ہوتی ہے۔

# کیا عزاداری خلاف اسلام ہے اور مذہبِ نبویؐ عزائمِ حرام ہے؟

(۲) اعتراضات کی چوتھی اور آخری شق تعزیہ دار کا ہے جس میں تمام مراسیم عزاداری شامل ہیں یعنی ماتم و سیمین زنی و نوا آہ و بکا کرنا، ترمیم و موسیقی وغیرہ۔ جن چیزوں کو نہ صرف خلاف اسلام قرار دیا گیا ہے بلکہ مذہبِ شیعہ کے اعتبار سے بھی ناجائز بتایا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ شیعوں کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ ان ممنوعہ مراسیم کو بجالائیں۔ مگر میں پہلے ہی اس بات کی وضاحت کر چکا ہوں کہ عام طور پر شیعہ اپنے اس عقیدہ میں بڑے حقیقت پسند واقع ہوتے ہیں جس کے تحت انہوں نے درخواست گزاردی کی ہے یعنی عزاداری ان کے مذہبی نظریات کا اٹوٹ انگ ہے کسی مول کو رٹ کے فیصلہ کرنے کے مقاصد کے لئے یہی امر کافی ہے کہ مدعی فریق ایک حقیقت پسند عقیدہ کے حامل ہیں۔ اس بات کا فیصلہ نہیں کرنا ہے کہ یہ عقیدہ صحیح ہے یا غلط۔ اور یہ بات غزیراہم ہے کہ یہ عقیدہ اسلامی نظریات کے برعکس ہے یا مذہبِ شیعہ کی تعلیم کے خلاف ہے۔ قبل اس کے ہم تنازعہ کے اس سبب کو مت کے حوالے پر ملاحظہ فرمائیے کہ تمام پندرہ گزاردی



چند وقت درو معتبر ہو الہیات پیش کرنا پسند کرتا ہوں چونکہ  
باعث میری تشفی ہوئی کہ شیعہ عقائد مذہبی اس معاملہ میں  
مباحثہ کے لیے ناسے اپنے حق میں کافی اور مفید مواد رکھتے  
ہیں جس سے ہم آسانی اخذ کر سکتے ہیں کہ اس معاملہ میں  
ان کے عقائد و نظریات حقیقت پسندانہ و دیانتدارانہ ہیں  
اور ممتاز مذہبی مقام کے حامل ہیں۔

امام رضاؑ نے فرمایا جو شخص جو کی شراب اور شرط خ  
کو دیکھ کر امام حسینؑ کو یاد کرتا ہے اور یہ یاد اور اس کے  
سیر و کاروں کو بد دعا دیتا ہے تو اللہ اس کے گناہ معاف  
کر دے گا چاہے وہ گناہ اتنے ہوں جتنے ستارے ہیں۔  
(بخارالانوار جلد ۱۱ صفحہ ۱۸۴)

ریان بن شیب کی ایک اور مروی حدیث ہے کہ  
اس میں وارد ہوا ہے کہ جو کوئی جنت میں جانے کا معنی  
ہو تو اسے چاہیے کہ حسینؑ کے قاتلوں پر لعنت بھیجے۔  
(کتاب مذکورہ صفحہ ۱۸۴)

اسی سلسلہ کی ابو عبد اللہ سے ایک اور روایت جو اسی  
صفحہ پر ہے ہم اسی مصنف (علامہ مجلسیؑ) کی روایات میں یہ  
بھی پاتے ہیں کہ پیغمبرؐ نے فرمایا: ”اللہ حسینؑ کے قاتلوں کو  
اپنی رحمت سے دور رکھے اور ان کے دوستوں اور مددگاروں  
کو بھی نیران کو بھی جو ان ملعونوں کے لئے بد دعا ہیں کیے۔  
لہذا کسی ایسی وجہ کے لئے ہمیں شیعہ کی ایک معتبر کتاب میں

یہ ملتے ہیں کہ "حسین ابن علیؑ کو بلا میں سنان بن انس کے نشانہ سے مارے گئے، اللہ ان لوگوں کو اپنی رحمت سے دور رکھے۔ اور خدا، رسولؐ، خدا اور امام برہ اس وقت تک ایمان کامل نہیں پہنچتا جب تک کہ ہمارے دشمنوں سے ناراضگی دے بے زار کیا اختیار نہ کی جائے۔ ہمارا ایمان ہے کہ نبی و امام کے قاتل بے ایمان ہیں اور وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جہنم میں داخل کیے جائیں گے۔ (اعتقاد یہ شیخ صدوقؒ)

ایک اور روایت بھی ہے جو مصیر الحنان میں جوعفر بن محمد بن نمانے لکھی ہے کہ مرض الموت کے زمانہ میں جب آنحضرتؐ کی طبیعت زیادہ خراب ہو گئی تو آپؐ نے امام حسینؑ کو اپنے سینہ مبارک سے چمٹا لیا اور فرمایا مجھے مزید سے کیا برتاؤ کرنا چاہیے؟ اللہ اس کو برکت نہ دے۔ اے خداوند! یہ نیکو اپنی رحمت سے دور رکھ۔ حضورؐ اشکبار تھے اور فرما رہے تھے کہ ہاں میں اور حسینؑ کے قاتلوں روز قیامت خدا کے حضور آئے سائے ہوں گے، اگلی روایت میں یہ ہے کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا میرے خدا تو اس حسینؑ کے قاتلوں اور ان لوگوں کو جو ان کے دوست ہوں اور ان کے اس عمل پر رضا مند اور خوش ہوں اور اس فعل کو سنکر قاتلوں کی حمایت کرتے ہوں ان سب کو اپنی رحمت سے دور رکھ۔ (ازاد المعاد ص ۱۵۸) اسی کتاب کے صفحہ ۵۹ پر اسی مضمون کی اور روایت بھی مرقوم ہے۔

ان حوالہ جات اور اس قسم کے دیگر مواد سے ثابت ہوتا ہے

کہ یزداد و حسین کے دیگر قاتلوں پر لعنت کرنا شیعہ اکابرین کے نزدیک اندرونی حدیث جائزہ و متفقہ ہے۔

”ہر جزع و فزع نمودن ہے سوائے سوائے حسین کے“  
(من لایحضرہ الفقیہ صفحہ ۱۱۱)

بحار الانوار جلد ۱۱ صفحہ ۱۱۱ پر امام رضا علیہ السلام سے روایت ہے کہ جس میں محرم کا سوگ منانا۔ روایات میں اور عزاداری سید الشہداء و بجالانا جائز ثابت ہے۔ اسی کتاب کے صفحہ ۱۱۱ پر روایت کیا گیا ہے کہ جب امام حسین کی ولادت ہوئی تو مولود کو حضور کی گود میں دیا گیا۔ پیغمبر اس وقت اپنے اور اسما سے فرمایا کہ ہم ایک المناک خبر سناتے ہیں۔ اور کہا یہ بچہ قتل کیا جائے گا۔ اور فرمایا اللہ اس کے قاتلوں پر لعنت کرے۔ حضور کا ارشاد گرجی یوں ہے کہ ”میں اپنے اس فرزند (حسین) پر شکبا رہوں کہ اس کو اسلام کے باغی کافروں کا ایک گروہ قتل کر دے گا۔ جو بنی امیہ میں سے ہو گا۔ وہ نہ قیامت میں ان ملعونوں کی ہرگز شفاعت نہ کرے گا۔ اے اللہ عجیب رکھ ان دونوں (حسین) کو ان کو بھی جو ان دونوں سے محبت رکھیں۔ لعنت کر ان پر جو ان دونوں سے دشمنی رکھیں۔ چاہے وہ زندہ ہوں یا مر گئے ہوں۔“

کتاب ذخیرۃ العاد میں صفحہ ۱۱۱ پر قوم ہے کہ امام حسین کی عزاداری جائز ہے جس میں روایات میں امام کرنا دین بجانا، سہ پینا یا دیگر آلات موسیقی سے سوگ منانا شامل

ہے۔ علاوہ انہیں شیعہ کی کتب اربعہ کی کتاب من لایحضر الفقیہ جلد ۱ صفحہ ۵ پر بھی اس مضمون کی روایت موجود ہے۔ مزید برآں رد منہ الصفا کے صفحہ ۹ پر حدیث منقول ہے کہ احمد کے موقع پر شہادت حمزہؓ پر حضورؐ نے خود اہل بیت فرمائی کہ خواہ میں مدینہ جناب حمزہؓ پر مہم داری و نہجہ خوئی کر میں چنانچہ انہوں نے رات گئے تک عزاداری کی جسے آنحضرتؐ نے پسند فرمایا حتیٰ کہ ان عورتوں کو ڈھانچے خیر سے نوازتے ہوئے فرمایا اللہ تمہیں خوش رکھے۔ تمہاری اولادوں اور آئندہ نسلوں کو بھی راضی رکھے۔“

**یہ زید ملعون ہے** | تذکرۃ الخواص الامم کے صفحہ ۱۵۵ پر لکھا ہے کہ حسین اسلام کی راہ جی میں شہید ہیں اور اس کتاب کے صفحہ ۱۶۲ پر تحریر کیا گیا ہے کہ مستند و معتبر طحاویؒ یہ زید مردود اور ملعون ہے اور یہ کہ یہ زید اور دیگر قاتلین حسینؑ لعنت کے قرار واقعی مستحق ہیں۔ میں اس سلسلہ میں یہاں پیغمبرؐ کی مشہور و معروف حدیث کا حوالہ دینا چاہتا ہوں کہ جس میں کہا گیا ہے کہ جہاد قسطنطنیہ میں شریک تمام لوگ مغفور ہیں اور یہ کہا جاتا ہے کہ یہ زید بھی اس ہم میں شریک تھا لہذا یہ زید یہ لعنت کرنا اس حدیث رسولؐ کے منافی عمل ہے اور شعار اسلام کے خلاف ہے۔ کیونکہ اس پر لعن کرنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کی مغفرت نہ ہو۔ اس کتاب کے صفحہ ۱۶۲ پر یہ بھی ہے کہ قول رسولؐ مرقوم



سے کہ جو کوئی اہل مدینہ کو خوف زدہ کرے اس پر خدا کی  
فرشتوں کا اور سب لوگوں کی لعنت ہوگی۔ اس کا رد و نفی قیامت  
کوئی عمل قبول نہ ہوگا۔ چنانچہ اس مقام پر صاحب کتاب  
رسطہ ابن جوزی علامہ اہل سنت و الجماعت نے اس قول کو  
بخاری شریف کی حدیث مغفورہ سے متصل کر کے کہا ہے کہ اس  
ارشاد نبوی کے مطابق ہر وہ شخص جو مدینہ کی حرمت کو برباد کرے یا  
جہنم میں جائے گا۔ ابن جوزی نے اس حدیث مغفورہ کو حضرت ابو  
الوثر الثعالی کی شان میں بیان کیا ہے اور مدینہ سے اس کے  
تعلق کو مسترد کر دیا ہے۔ کتاب تذکرۃ الخواص الامۃ السنی  
مکتب فکر کی ہے اور مذکورہ حدیث حرمت مدینہ کے بارے  
میں تمام مسلمان متفق ہیں کہ مدینہ بہرہ چڑھائی نہ کرے  
وہاں کے باشندوں میں تباہی بچا دی۔ لہذا حدیث نبوی  
کے مطابق مدینہ پر سختی قرار پایا۔ اس نصوص کے اعتبار سے اگر شیعہ  
لوگ مدینہ پر لعنت کرنے کا عقیدہ رکھتے ہیں جو کہ اس  
مقدمہ نہرہ مسائل میں باعث نزاع ہے تو میری صوابدید کے  
مطابق وہ اسے موقف برحق بجانب ہیں۔

**شیخہ گواہ** | مدعیان نے اپنے حق میں کل پانچ گواہوں  
پیش کی ہیں پہلے گواہ عبد الغفور

ہیں جو ایک مذہبی خطیب ہیں۔ انھوں نے شیعہ و سنی  
دونوں مکتبوں کی کتب کا مطالعہ کیا ہے۔ وہ تاکید کرتے ہیں  
کہ اس مقدمہ میں مدعی موقف کا ہر گوشہ مذہب اسلام کے عین مطابق

ہے۔ گواہ موصوف نے اپنے بیان شہادت کے صراحت پر پھر نہ وہ  
ایفاظ میں وفاق کے ساتھ کہا ہے کہ مسلم دنیا میں کوئی ایسا  
شخص نہیں ہے جو کہ حسین علیہ السلام کو قتل کرنے والوں کو پسند نہ  
نگاہوں سے دیکھتا ہو۔

دوسرے گواہ طالب حسین ایک ممتاز زمیندار ہیں جو حکومت  
کو سالانہ سات آٹھ سو روپیہ آبیانہ ادا کرتے ہیں۔ یہ شیعہ  
مسلم رکھتے ہیں اور گواہ اور قتل کی تائید کرتے ہیں اپنے شہادت  
بیان کے صراحت پر لکھتے ہیں کہ جو بنو در میں شیعان بنی اُمیہ کا  
کوئی وجود نہیں ہے۔

تیسرے گواہ سید فضل علی ہیں جو ملا عرب اسلامیہ میں خاصی  
سوجھ بوجھ رکھتے ہیں انھوں نے بھی مدعیان کی موافقت میں  
گواہی دیکر ان کے موقف کو تقویت پہنچائی ہے۔

چوتھے گواہ فصاحت حسین ہیں جو کہ ۲۸۷ روپے انکم  
ٹیکس ادا کرتے ہیں۔ انھوں نے بھی مدعیان کی حمایت کی ہے۔  
پانچویں اور آخری گواہ مظفر حسین ہیں یہ شیعوں کی  
بارسوخ شخصیت ہیں۔ انھوں نے مختلف کتب کے حوالوں سے  
مذلل اثبات کے ساتھ مدعیان کے عقائد کو سچا ثابت کیا ہے۔  
یہ سب گواہ مذہبی طور پر شیعہ ہیں جبکہ مدعا علیہان کے تمام  
شہادتیں سنی مسلک کے پیروکار ہیں۔ مدعیان کی زبانی گواہی  
کا وزن جہاں تک میرے ذہن نے محسوس کیا تھا بلکہ مدعا علیہان  
کی شہادت سے بھاری ہے۔ شیعوں کی طرف سے ہمیشہ ہونے

وایے اکثر گمراہان آعلیٰ حیثیتوں کے حامل افراد ہیں۔  
**سنی گواہ** | فرتی مخالف کی جانب سے کل آٹھ گواہ  
 آئے۔ پہلے دیوبند لیتی، ایک سنی عالم

ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ نام لے کر کسی پر لعنت کرنا جائز نہیں ہے۔ وہ  
 کہتے ہیں کہ جو بنو رہیں کچھ ناصبی لوگ آباد ہیں۔ انھوں نے مزید کہا  
 ہے کہ تفریق کا جلوس اور غزوہ ادریس سے متعلقہ دیگر مراسم سب کی سب  
 شیعہ مذہب کے اعتبار سے ممنوع و حرام ہیں۔ انھوں نے تسلیم کیا  
 کہ تمام قاتلان حسین بدکار لوگ تھے۔ یہ صاحب ۲۸ روپے ماہوار  
 کے مختار دار محمدی آدمی ہیں۔

دوسرے سنی گواہ مولوی علی حسن ہیں یہ اس کیس میں مدعا علیہ  
 بھی ہیں انھوں نے جیسی کچھ کہا جو ان سے پہلے گواہ نے کہا۔ کوئی  
 فاضل معتمد بات نہیں کی ہے جس سے کہ ان کے بیان کردہ  
 موقف کی تصدیق ہو سکے۔

تیسرے گواہ نے اصل مدعا صریح بر کچھ نہیں کہا ہے وہ صرف  
 یہ کہنے حاضر ہوئے کہ شیعہوں کو ان سے کوئی ذاتی مخالفت نہیں  
 ہے۔ اسی طرح گواہ ۴، ۵، ۶، ۷ مدعا علیہ ان بھی ہیں۔ انھوں  
 نے عدالت میں پیش ہونے کی زحمت صرف اس لئے اٹھائی کہ وہ مقدمہ  
 میں وجہ نزاع سے کسی ذاتی تعلق کا انکار کر سکیں۔

گواہ ۸ حکیم محمد الین ایک سنی عالم ہیں۔ انھوں نے ایک  
 سچے مسلمان کے اصولی عقائد پر ردی ڈالی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ  
 جو بنو رہیں ناصبی بھی مقیم ہیں لہذا اس بنا پر ان کا بیان کسی

بھی حالت میں قابل اعتبار نہیں۔ !  
گو اہ نمبرہ عبد العزیزہ ہیں جو کہ خود کو نا صبی ظاہر کرتے ہیں۔  
اور میں ان کے بارے میں پہلے ہی اپنے خیالات کا اظہار

کر چکا ہوں۔  
**عقیدے کے صحیح و غلط**  
**ہونے کا فیصلہ کرنا عام**  
**عدالتوں کا کام نہیں !**

میں اس امر پر بحسن و بجا  
کر چکا ہوں کہ فریقین کی گواہیوں  
کے بیانات جن کا تعلق عقائد  
سے ہے اس معاملہ میں کسی  
اہمیت کے حامل نہیں ہیں

عدالت یا اس معاملہ سے منسلک کوئی اور رسول کو رٹے مسلم  
نظر یہ کی جا چکے کہ وہ کے لئے منقذ نہیں ہو سکتی ہیں کہ وہ  
فیصلہ کریں کہ شیعہ عقیدہ یا سنی عقیدہ میں کونسا صحیح  
ہے اور کونسا غلط ہے۔ اور نہ ہی اس زمرہ سماعت تنازعہ  
میں اس کو شہرہ برکفت و شنیدہ کی ضرورت ہے کہ ایسا فیصلہ  
کیا جائے۔ سب فریقوں نے اپنی اپنی دستاویزی شہادتوں  
اور مستند اسلامی کتابوں سے اپنے اپنے عقائد پر پیش کئے  
ہیں اور ہر ایک نے دوسرے کو غلط قرار دیا ہے۔ اندر میں حال  
صحیح و مناسب طریق کاری ہی ہو گا کہ ہم یہ اخذ کریں کہ کیا شیعہ  
نقطہ نظر سے ان کے مذہبی جملوں اور دیگر حقوق جس کا کہ  
مطالبہ کیا گیا ہے ان کے مذہبی عقائد سے مطابقت رکھتے ہیں  
یا یہ محض ڈھونگ ہیں کہ جنکی بجا آوری سے ان کی نیت غیر شیعہ کے



مذہبی جذبات اور نظریاتی احساسات کو ٹھیس لگانا ہے،  
 اگر مدعیان ہمارے تسلی کر دیتے ہیں جیسا کہ انھوں نے کشفی کو طور  
 پر ایسا کیا ہے (اس کیس میں) کہ وہ یہ مراسم عرصہ دراز سے  
 بحال رہے ہیں اور اس سلسلہ میں کافی معتبر شیعہ اتھارٹیوں  
 کے حوالے پیش کئے ہیں کہ تعزیرہ داری اور تبرہ اور دیگر شائع  
 مذہبی اُن کے عقائد میں کافی پیرائے ہیں۔ لہذا ایسی معقول اور  
 ناقابل انکار صورت میں عدالت انصاف پر لازم آتا ہے کہ  
 وہ اُن کے ان حقوق کی حفاظت کرے۔ قطع نظر اس بحث کے  
 کہ وہ عقیدے کسی بھی طور پر غلط، غیر منطقی اور احمقانہ ہی  
 کیوں نہ سمجھے جاتے ہوں۔ ان عقائد کی جانچ پر کہ کرنا اور صحیح  
 و غلط کی تمیز میں الجھنا عدالت ہذا کے لئے بے مقصد اور  
 بے وقعت ہو گا۔

بہر کیف لزیمت حالات  
 کے مطابق یہ کہنا ناممکن  
 ہے کہ شیعہ یہ سارا کچھ  
 شیعہ کسی جرم کا ارتکاب  
 نہیں کرتے!

محض فضول یا بلا مقصد کرتے ہیں یا وہ کسی مروجہ قانون تعزیری  
 کی خلاف ورزی کا ارتکاب کر کے جرم کرتے ہیں پس شیعہ  
 کے ایسے مراسم کی بجا آوری و ادائیگی کو ہرگز تکلیف دہ قرار نہیں  
 دیا جاسکتا۔ آخر یہیل مکزی نے اس نکتہ پر بڑی عمدہ و روشنی  
 ڈالی ہے اور ہم نے فیصلہ ہذا کی تحریر پر بالا میں صفحہ ۶۳ سے  
 صفحہ ۶۴ تک کا حوالہ بحوالہ مقدمہ ۶۴/۶۴ ALJ ۱۹۳۱ء پیش کیا

مگر میں نے اس کے علاوہ بھی متعلقہ تعزیری دفعہ کا بخور یا کٹرہ  
 لیا ہے اس کا سنجیدگی سے تجزیہ کیا ہے اور یہ متعلقہ قانونی اخترا  
 کا مطالعہ کیا ہے جس سے اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ کسی بھی  
 صورت سے شیعہوں کا موقف کسی شرارت پسندی یا قانون  
 کی کسی دفعہ کی خلاف ورزی سے منسلک ہوتا نظر نہیں آتا ہے  
 جیسا کہ مخالف فریق کا گمان ہے لیس اس معاملہ میں مدعا علیہا  
 کے موقف کو درست سمجھ لینا میرے لئے ناممکن ہے جیسا کہ میں  
 پہلے واضح کر چکا ہوں کہ حقائق کا انکار غیر امر کاخی امر ہے اور  
 یہ بات ہرگز درست نہیں ہے کہ شیخہ کسی مکتب فکر کا دل دکھا  
 کے لئے اپنے مذہبی مراسم ادا کرتے ہیں۔ حالانکہ شیعہ یہ سب کچھ اپنے  
 امام کی یادگار شہادت مناسبت کے لئے کرتے ہیں۔ شیخہ کے اس  
 طرز عمل سے اگر کسی طبقہ کو ناگوار سی محسوس ہوتی ہے اور کہ کسی  
 کے مذہبی احساسات مجروح ہوتے ہیں تو یہ جذباتی دل آزاری  
 و ناپسندیدگی قانونی ضرورت کے لحاظ سے ہرگز کافی نہیں کہ محض  
 اس بے بنیاد دھواڑ پر کسی کو اپنے مذہبی رسومات مناسبت سے  
 روک لیا جائے یا اس طرز عمل کو کسی قانون کی خلاف ورزی یا  
 قرار دیا جائے۔ دفعہ ۱۵۱ الف کو ایک طرف رکھتے ہوئے اگر آئین  
 یا سوچے سمجھے منصوبوں کے تحت مذہبی احساسات کو مجروح  
 کرنا ایک الگ جرم کا اہم جزو ہے۔ جو کہ تعزیریات ہند کی  
 دفعہ ۲۹۵-۱ سے ۲۹۸ میں بیان ہوا ہے۔ جبکہ  
 ان مذکورہ دفعات کا اس مقدمہ میں شیعہوں پر اطلاق نہیں

نہیں ہوتا۔ جہاں تک دفعہ A 153 کا تعلق ہے ہم نے نوٹ کیا ہے کہ دیئے گئے بیان میں مذکورہ دفعہ کی شراہ کو بتلا کرنے کا حیلہ کیا گیا ہے جب کہ لغزہ بری و تحسیری اثبات و دیگر شواہد سے ظاہر ہے کہ اس معاملہ میں کسی قسم کی کوئی ہشمارت بدنیثی یا بلہ دریاختی نہیں ہے بلکہ یہ خالصتہً ایسا مذکورہ نظریات پر منحصر ہے۔

## رسالہ ورتمان، سیردورخ اور رنگیلارسل کے مقدموں کی مثالیں!

(بحوالہ 1927/46 J.C. 1546) اور اسی طرح کی رولنگ رسالہ ورتمان کے کیس AIR 27 لاہور 1945 میں عالی جناب بڑاڈوسے اور کمپنجنے دفعہ A 153 تقریرات ہرنے کے ایک مقدمہ میں صحیح فیصلہ دیتے ہوئے حکم جاری کیا اور لکھا کہ دیگر مذہب کے بارے میں نیک نیتی سے اظہارِ رائے کرنا شرعاً انگیزی سے بعید ہوتا ہے۔ یہ مقدمہ اس سلسلہ کا ہے جبکہ ایک مضمون بعنوان "سیردورخ" کے سلسلہ میں کاٹھی دعویٰ پیش ہوا جس میں کہ ہرنک آمینز طریقہ سے پیغمبر اسلام کی سوانح پر کتابخانہ حملے کے گئے تھے۔ اور ان کی ازواج اور اصحاب نے لئے نازیبا انداز میں گستاخانہ کلام کیا گیا تھا۔ صاحب مضمون نے رسولؐ، ان کی ازواج اور اصحاب سب کو



مردود قرار دیتے ہوئے دوزخی بیان کیا تھا اور سخت اذیت  
 پہنچانے والا طرز اختیار کیا تھا۔ اس نے بڑے بھونڈے  
 اسلوب میں بد مزگی پیدا کرنے والے طریقہ کے ساتھ اور  
 چہرہ نہ بانی کرتے ہوئے بیغیر کے بارے میں لکھا تھا کہ  
 آنحضرت شفاعت کرنے کے قابل ہی نہیں ہیں کہ وہ اپنے  
 پیروکاروں (امت) کی شفاعت کر سکیں۔  
 چنانچہ کیسوں کی لذیذیت کا نہیں ہے کیونکہ شیعہ جبہ کے  
 کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ اپنے پیروں کی مشہرت پر نہ دتے ہیں۔  
 اور اس شدتِ بغم و دشمنی سے مفلوب ہو کر وہ ان کے قاتلوں  
 کی اپنی زبانوں سے مذمت کرتے ہیں جس میں اس کے سوا اور  
 کچھ نہیں ہوتا کہ یزید اور اس کے ساتھی جنہوں نے امامین  
 کو پتھریا کیا اللہ تعالیٰ ان کو اپنی رحمت سے دور رکھے۔  
 ان لوگوں پر خدا اپنی نعمت برہ سائے۔ کیا یہ طرز بیان گالی ہے؟  
 بخش کلامی ہے؟ بد زبانی ہے؟ مرموا کرنا ہے؟ برا بھلا  
 کہنا ہے؟ چنانچہ لا ہونہ کی روننگ کے مطابق معززہ منصفان  
 نے کتر یہ فرمایا۔ "یہ یقیناً ایک مقصد ہے بلکہ لازم کے  
 مقصد کا جزو و لا ینفک ہے کہ ایسے احساسات میں نہ یا قی پیدا  
 کی جائے اور اگر یہ اصل مقصد کا حصہ نہیں بھی تو وہاں دشمنی  
 کے جذبات پیدا کرنے یا منافرت کی فضا پیدا کرنے کے لئے  
 یہ چیز کافی نہیں ہے۔ معززہ عدالت نے اپنی تحقیقات میں یہ  
 تسلیم کیا اور ہماری ایک اور اعلیٰ عدالت میں د. اجیراویوں



کیس ہو کہ الہ آباد میں 27/19/649 کے تحت زیر سماعت یہاں لکھا  
 گیا کہ یہ جیٹیز لازماً ملحوظ رکھی جائے کہ ایسے ممالک میں جہاں کہ مذہبی  
 آزادی ہو وہاں اس قسم کے واقعات کا رد و نما ہونا ایک ضروری  
 امر ہوتا ہے وہ اپنے اپنے نقطہ نظر سے اپنے مذہبی نظریات کا اظہار  
 کریں۔ اور اس میں دیگر مخالف مذاہب پر رد و ادا نہ تنقیدی  
 کا ہو جانا ناگنہ یہ ہوتا ہے لیکن یہ بابت ملحوظ رہے کہ تمام مذہبوں  
 کے تحت یہ دیکھنا بڑا ہے کہ رواداری کو جو تنقید کو مطلوب ہے۔  
 ہرزبانی یا مذہبی کی اجازت نامہ نہیں ہونا چاہیے۔ لہذا ہر  
 باقی گورنٹ کے پہنچنے ان الفاظ کی تہ دیدہ نہیں کی تھی جو کہ عزت  
 ناب دلیر سنگھ (جج) نے تحریر کئے تھے جب ان کے سامنے  
 رسوائے زمانہ کتاب دیکھلا رسول کا مقدمہ فیصلہ کے لئے  
 پیش ہوا تھا۔ یہ کیس ملک میں جذباتی رجحان پیدا ہونے سے  
 پہلے 19۲۶ء میں نمبر 590 کے تحت نمٹا یا گیا جو کہ اس  
 کیس میں مدعوں کے موقف کی حمایت کرتا ہے۔ دی جیٹر  
 جیون صاحب کے فلپس کے فیصلہ بابت کیس 1927AIR 7  
 الہ آباد 649 عدالت نے فیصلہ دیا کہ کافی چرن شرمہ نے  
 اپنی کتاب میں جو زبان استعمال کی ہے وہ غیر شائستہ  
 ہے اور اس نے اس میں پیغمبر کو شراب خورد، بدکار، ادب نام پرست  
 جنسی عیاش اور بہیمیت کا رسول لکھا جو الہ صفحہ ۶۵ اور  
 اس کی ساری زبان تحریروں انتہائی کھٹیا، اشتعال انگیز،  
 بازاری، فحش، لچر اور کمینگی سے بھرپور تھی۔ چنانچہ اس بناء پر

فاضل عدالت نے اس کے برخلاف بالکل صحیح فیصلہ دیا مگر اس کے باوجود دلیپ سنگھ کے فیصلے کو اس سے مختلف قرار نہیں دیا جاسکتا اور اس کیس (کالی جہن) میں تحریراتی استیغ کے باوجود محترم جج دلال نے دلیپ سنگھ کے فیصلہ کی حتمی بنیاد کی بجوالہ اللہ آباد 659 1927ء - مگر میں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ ملزم کا طرز بیان چونکہ قابل اعتراض تھا جو کہ منصفہ امر تھا جبکہ میرے زیر سماعت موجودہ کیس میں اس قسم کی کوئی بات نہیں ہے۔ چنانچہ میں یہ تصدیق نہیں کر سکتا کہ ملہ عیان کسی قسم کا کوئی مجرم نہ تھے ہیں یا کسی قانون کی خلاف ورزی کا ارتکاب کرتے ہیں۔

اس مقدمہ میں قانون کا کوئی عمومی پہلو ایسا نہیں ہے جو اس موضوع پر مفید حیثیت سے پیش کیا جاسکے۔ یعنی جس سے شیعوں کی کوئی قانون شکنی ثابت ہو سکے (درعیان کے مطلوبہ حقوق عام قانونی حقوق ہیں اور عدالتی رد و لنگ کے علاوہ کبھی میں سمجھتا ہوں کہ وہ عام انسانی اصولوں کے لحاظ سے جائز ہیں۔ دیکھئے اے این CONSTITUTIONAL LAW by DECAJ Vol VII (یعنی قانون کی چھٹی جلد کے ص 445)

یہ اس موضوع پر بحث کی گئی ہے جس میں مرقدہ ہے کہ یہ ہر شہری کا مشترکہ قانونی حق ہے کہ وہ شارع عام ججوں پر اپنی رائے کا اظہار کر سکے چاہے کوئی بھی موضوع متنازعہ ہو لیکن اس احتیاط کے ساتھ کہ ایسا کرنے سے کسی قانون کی

خلافت و درازی نہ ہوتی ہو کسی اجتماع کے مجتمع ہونے کا حق اور اپنی رائے کا آزادانہ اظہار کسی بھی موقع پر کرنا ہر شہری کا انفرادی و اجتماعی طور پر پورا کتنی حق ہوتا ہے۔ فرد واحد یا افراد کا مجموعہ یہ حق رکھتے ہیں کہ وہ کسی بھی ملک مقام سے گزریں گلی کہ چہ و سڑک پر سے نکلیں کیونکہ یہ اسی مقصد کے لئے وقف و مخصوص ہوتی ہے لیکن کیا عوامی راستوں، سڑکوں، اور گلیوں پر آمد و رفت کا مطلب چپ و ساکت و خاموش رہنا ہوتا ہے؟ ہر آدمی یہ حق رکھتا ہے کہ وہ سڑک پر چلتا ہو یا بول سکے بھڑیلو اس کے سوا اور کیا ہے کہ انسانوں کا ایک میٹرک اجتماع ہوتا ہے پس ایسے جگہوں کا وہی حق ہو گا جو کہ ایک فرد واحد شہری شخص کا کسی عام گزرگاہ یا راستے پر ہوتا ہے۔

”قائلانین پر لعنت کے لئے پراعتراض کرنا عقلمندی کی بات نہیں“

سات قابل مذمت افراد پر لعنت کرنا جن سے کہ مدعیان نے جرم کی نسبت کی ہے۔ وہ ایسے لوگ ہیں کہ جو امام حسین کے قتل کے ذمہ دار ہیں۔ اور یہ لعن و طعن ماسوا اس کے کچھ نہیں کہ ان کے تاریخی جرم سے کہ داروں کے برخلاف اپنی رائے کا اظہار ہے۔ اگر کوئی اظہار رائے کسی تبلیغی مقصد کے لئے کیا جائے اپنے مذہب کی وضاحت کرنے کے لئے یا ایک عظیم شہید



صہیرہ کی شہادت عظمیٰ کی یاد منانے کے لئے یا مذہبی تقریباً منعقد کرنے کے لئے تو میرے نزدیک اس بات پر اعتراض کرنا عقل مندی کی بات نہ ہوگا۔ باوجود اس کے بھی کہ یہ باتیں کسی طبقہ کے نزدیک ناپسندیدہ ہوں یا کسی گروہ کے احساسات ان سے متاثر ہو جاتے ہوں۔ یا کسی کی دکھتی رنگ بیکھرتی ہو یا بلیک کو ناگوار ہو پس مدعوں کا حق ان سادات مخالف بالوں پر وہ نڈر طرح غالب آتا ہے۔

**تنازعہ نمبر ۳** | دولت ہند کے سکریٹری اس مقدمہ میں ضروری فریق نہیں ٹھہرتے کیونکہ

ضلع کی ذمہ دار انتظامیہ نے تعزیرات ہند کی دفعہ 441 کے تحت کارروائی کی وہ اس لحاظ سے مجبور ہوئے کہ انھوں نے حکام بالا کی تعمیل کی یعنی سکریٹری ہند کا حکم بجالائے۔ اور میں اس جھگڑے کا معنی فیصلہ دیتا ہوں۔

**تنازعہ نمبر ۴** | اس کیس میں مدعیان کا مدعا یہ ہے کہ مدعا علیہا ان متغیہات کے حقوق

سے انکار کرتے ہیں اور وہ متعلقہ حکام سے نوٹس جاری کروانے کے ذمہ دار ہیں جس میں کہ انھوں نے ان کے شہری آزادانہ کے حق میں رکاوٹیں کھڑی کی ہیں۔ لہذا اس وجہ سے مدعیان نے مدعا علیہا ان کے خلاف مقدمہ داخل کیا۔ مدعا علیہا ان نے ایڑی جوتی کا نہ صرف کیا ہے اور اپنی پوری کوشش سے تمام پہلوؤں پر مدعیان کے حق کا انکار کرنے میں کوئی کسر



اٹھانہ رکھی۔ مقدمہ کی کارروائی کافی طویل ہوئی ہے۔ ابتدائی طور پر اسے فاضل سول جج نے سماعت کیا اور بعینہ مدعا کی میرے کاغذوں پر آئی۔ مجھے یہ موقع حاصل ہوا کہ میں نے اس کی ساری کارروائی کا جائزہ تقریباً دو ہفتے پہلے سے میرے خیال میں فضا کشیدہ صورت رکھتی ہے کہ سب لوگوں سے یا بینق سے سچا سی آدمیوں سے بلکہ بعض اوقات پیر ہر مکتب فکر کے لوگوں کی زیادہ لگاؤ سے اتنی بھیڑ لگ جاتی کہ گھر کا عدالت بھر جاتا ہے چنانچہ میرے ذہن میں یہ حقیقت ساٹھ ہے جو کہ مختصر طور پر یہ پہلے پیدا ہوا ہے کہ اہل سنتہ طبقہ اس سلسلہ میں زیادہ بیتا ہے کہ شیعہوں کے حقوق کا انکار کر دیا جائے۔ مدعی گواہ فصاحت میں اعتراف کرتے ہیں کہ سنیوں نے مقامی انتظامیہ کو شیعہوں کے طبل و تارشہ کے خلاف سرکارت کی اور متعلقہ حکام نے زیر دفعہ ۱۶۱ انڈس کے تحت پابندی لگا دیں۔ مدعا علیہ کے گواہ علی محمد الوب کے بیان سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ مدعا علیہ ہان مدعیوں کے حقوق کا انکار کرنے میں خاصی دہیبی رکھتے ہیں۔ درحقیقت مدعا علیہ ہان کی تین گواہیوں کے سوا۔ سول نے کہ کچھ نہیں کہا ہر ایک نے مدعیان کے حق سے انکار کیا ہے ہمیں قاضی طور پر یہ یہ بخیر رکھنا ہے (خبردار کرنا ہے) کہ دفعہ ۱۶۱ اس آرڈیکٹ ایسے افراد کے خلاف عائد کی جاسکتی ہے جو کہ کس دوسرے کے حق کا انکار کرے۔ چنانچہ ان لوگوں (شیعوں) کے خلاف بھی ایسی قانونی کارروائی کی جاسکتی ہے جو کہ موجودہ کیس

میں مدعیان کے حقوق کے خلاف نہ کاؤ نہیں پیدا کر رہے ہیں۔ (نحوہ الہ  
اسے۔ آئی۔ آر۔ ۱۹۳۵ لاہور صفحہ ۸۵۔ مدراس ۱۹۴۲/۷۴۹ اور  
۱۹۴۶ آئی۔ سی ۵۵۳) میرے نزدیک بڑا واضح لاکھ عمل ہے۔  
جو اس کیس میں شیڈیوں کے برخلاف اختیار کیا جاسکتا ہے۔

فریقہ ثانی نے یہ موقف اختیار کیا  
**تنازعہ نمبر ۵**

مطلوبہ ڈیپیکلریشن اپنی صورت بدیدہ جاری کرے اور مدعیان کو  
یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اس ڈیپیکلریشن کو اپنے مطلق حق کے  
طور پر سند بنالیں۔ اور یہ کہ اس طرح کے اجازت نامہ دیے  
سے بد نظمی پیدا ہونے کا خدشہ ہے کہ دونوں مذہبی  
گروہوں میں کشیدگی کی صورت ہے۔ لہذا عدالت کے حالات  
کے پیش نظر ایسی اجازت دینے سے انکار کر دینا چاہیے۔

**حکم فیصلہ مدعیان کے حق میں!**

جب انٹرنل میفریقین کے قانونی حقوق سے عدم واقفیت  
کے باعث اس قسم کا کوئی حکم جاری کرتی ہے جو کسی دوسرے  
عوامی طبقہ کے حقوق پر چھاپہ مارتا ہے تو اس عمل سے سختی طبعہ  
میں بے چینی کی لہر اٹھتی ہے۔ اور اس سے مزید بد امنی پیدا  
ہونا ناگزیر ہو جاتا ہے۔ اس قسم کے جاہلانہ احکامات اس  
وقت جاری کئے جاتے ہیں جب قانونی حقوق کا تحفظ درکار ہو

اور اس عامہ کی صورت مخدوش ہو اور ہم دیکھ سکتے ہیں کہ جب کبھی  
 بھی اس قسم کے متشدد و اذیتوں کا مواد صادر کئے گئے تو اسی ضرورت  
 کے تحت قانون کے لٹریچر کا بغور مطالعہ کرنے سے جو کہ اس مضمون  
 کے متعلق ہے اس معاملہ میں میری رائے یہ ہے کہ مقامی انتظامیہ  
 کا زیر دفعہ ۱۶۶ جاری کردہ حکم قانونی حق سے ان کی غیر یقینی  
 صورت حال کے پیش نظر تھا جو ان کو قانون شناسی کے  
 بارے میں تھی (یعنی عدم واقفیت کے باعث) جسے صرف  
 ایکسپلڈر کسی بیماری سے احتیاطی تدبیر یا بہرہ برکے مترادف  
 کہا جاسکتا ہے یعنی حفظ یا تقدم ہے میرے نزدیک ایسے مقدمات  
 میں جبکہ دو طبقوں میں باہمی جھگڑا ہو یا نہ و فریقوں کی نزاع ہو یا  
 سرکاری حکام اعلیٰ عدالتی حکام سے رجوع کر رہے ہوں کہ  
 قانونی محتاج کیا ہو تو یہ معلوم ہو گا کہ کسی قانونی حق کی حفاظت  
 نہ رہی دستیاب سرکاری قوت کے ساتھ کی جائے۔ یہ چیز  
 بعض اوقات مشکل ہو جاتی ہے مگر طبقات کے لئے یہ لا بدی  
 ہو جاتا ہے وہ اپنے حقوق کا تصفیہ کریں اور با من رہیں اس  
 طرح جس طرح کہ بانی ہو کہ جب اسے قدرتی طور پر کہنے دیا جا  
 تو وہ اپنی سطح خود ہی متعین کر کے اس کی حد و میں بہتا ہے  
 المختصر میں اب اس معاملہ کو کچھ مشاہداتی دلائل پر ختم کرنا ہوں  
 جنہ بانی کو ریٹ کے ٹکڑوں نے اس موضوع کے بارے میں اپنے  
 فیصلوں میں ثبوت کئے اور ان کو پریوی کونسل نے منظور کیا ان کا  
 لب لباب یہ ہے کہ انتظامیہ پولیس اور میسجری اپنے اختیار



کو زیر دفعہ 14 اور 13 اور پولیس ایکٹ 5 دفعہ 30 کے  
 یہی وہ قوانین ہیں جن کے تحت یہ ادارے مداخلت کرنے کے  
 مجاز ہوتے ہیں (Sennett J-1931, 624, 627 ALJ)

کیا ان اختیارات کا استعمال ہر وقت ہونا چاہیے؟  
 کیا ان کو مستحقین کے حق میں اور ان کے تحفظ کی خاطر اور ان  
 برخلاف جو ان حقوق میں مزاحمت کرتے ہیں بروئے استعمال  
 نہیں لانا چاہیے؟ مگر ہنگامی صورت حال کے پیش نظر  
 قانونی حقوق کے تحفظ اور بحالی امن و امان کے لئے ان کا  
 استعمال بر محل ہے کیونکہ ایسی سنگین صورت میں وہ  
 عام شہری حقوق معطل کر سکتے ہیں لیکن عارضی طور پر  
 اس پابندی کو ریٹ کے ججوں نے ستمبر 14 کے ضمن میں لکھا  
 کہ انجانی امن و امان کے لئے مجسٹریٹ کے پاس خصوصی اختیار  
 ہوتے ہیں جو خاص موقعوں کے لئے محدود طور پر یہ ان کو حاصل  
 ہوتے ہیں۔ مجسٹریٹ کا یہ فرض یہ ہے کہ وہ ہر شخص کے حق  
 کی حفاظت کا التزام کرے۔ جو قانون کے مطابق ہو۔

ادریعافتی تلامذہ اختیار کرے۔ اس لئے کہ دوسروں کے حق  
 محفوظ نہ رہیں۔ لیکن اگر مجسٹریٹ دیکھتا ہے کہ حالات ایسے  
 ہیں کہ جن میں قانونی طرز عمل اختیار کرنے سے شہری ہنگامہ  
 آرائی کا خدشہ ہے یا اضطراب و بے چینی کا خطرہ محسوس  
 ہوتا ہو تو عوامی سلامتی کے پیش نظر اسے یہ اختیار حاصل  
 ہے کہ وہ عارضی طور پر پابندیوں کے حقوق کو نظر انداز کر دے اور



اپنے خصوصی مجوزہ اختیارات استعمال میں لائے اور یہ اقدام صرف ہنگامی حالات میں مناسب ہوگا۔

اس ہائی کورٹ نے ایک اور کیس 203/6 میں اس طرح لکھا ہے کہ: جہاں حقوق کو خطرہ لاحق ہو تو مجاز انسداد کو ان اختیارات کے ذریعہ مکمل تحفظ حاصل کرنا چاہیے جو کہ ان کو قانون کی رو سے حاصل ہوتے ہیں۔ جہنہیں وہ غیر متعلقہ حالات کے مطابق استعمال کر سکتے ہیں۔ یہاں اس کی ضرورت نہیں ہے کہ جو اندک ثابت کیا جائے کیونکہ وہ حالات ایسی شکل اختیار کر لیتے ہیں کہ یہ طریقہ اختیار کرنا انتظامیہ کے لئے ضروری ہو جاتا ہے۔ اس صورت میں ایسے احکامات جاری کرنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ان حالات میں جب کہ لاقانونیت کا رجحان ہوتا ہے اور انتظامیہ اس قابل نہیں ہوتی کہ قانون کا تحفظ کر سکے تو اس صورت مجبوری میں یہ اختیار خاص بھی تقاضائے انصاف بن جاتا ہے کیونکہ پبلک کے امن کو بحال کرنے کے لئے اس کا استعمال کیا جاتا ہے جب کہ اس کا مقصد یہ ہرگز نہیں ہوتا ہے کہ کسی کے شہری حقوق کو اس خصوصی اختیار سے دبا کر ختم کر دیا جائے۔ بلکہ درحقیقت یہ اقدام بھی تحفظ حقوق کی ایک ماہریر کے طور پر کیا جاتا ہے۔ نیز ایسا تاثر بھی ابھرتا ہے کہ اگر کوئی خیال کرے کہ قانون کے محافظ ادارے کمزور ہو گئے ہیں تو ایسے کے خلاف جو اس غلط فہمی میں قانون شکنی کرتا ہے اس کی بھول کا ازالہ کرنے کے لئے متعلقہ ادارہ باب اپنے خصوصی اختیارات

کا استعمال کر کے اپنی طاقت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ جو دراصل  
شہری حقوق کی پاسداری کرنے کا موثر و طاقتور طریقہ  
ہوتا ہے جہاں اس قسم کا تاثر اکثریتی آبادی کے ذہنوں میں  
سما جائے تو بحالتِ مجبوری ایسے جاہلانہ احکامات اور تشدد و  
طریقے اختیار کرنا پڑتے ہیں تاکہ خطرات و خدشات کا موثر مقابلہ  
کر کے قانون کا نفاذ کیا جاسکے۔ اور ایسے افراد جن کے لئے اذلیان  
حکومت کی تعمیل تلخ ہوتی ہے۔ ہر جماعت میں موجود ہوتے  
ہیں لیکن پھر بھی جو لوگ عام طور پر قانون کو برقرار رکھنے کے  
خواہاں ہوتے ہیں ان کو ورغلا لیا جاتا ہے۔

یہ لوگ کونسل نے اس بات کو درست مانا ہے اور میرے  
خیال میں اس سے عمدہ الفاظ یا زبان اس کی وضاحت کے لئے  
اور کوئی نہیں ہے۔ جو مجسٹریٹ کے فرائض منصبی اور پولیس  
کی ذمہ داریوں کو بیان کرتے ہوں۔

مذکورہ بالا شبہ یعنی طور پر یہ یہ حق رکھتے ہیں کہ مطلوبہ اجازت  
نامہ ان کو جاری کیا جائے۔ لیکن ممکن ہے کہ اس قانونی حق  
کے ادا کرنے پر حالات میں گڑبڑ پیدا ہو چنانچہ مجسٹریٹ یا پولیس  
جس مقام پر یہ ضروری خیال کریں تو یا بعد ہی عالمک کر سکتے ہیں  
مذکورہ بالا اختیار کی روشنی میں جس کا مقصد صرف امن کو  
بحال کرنا اور شاہراہوں کو مسدود نہ ہو جانے سے روکنا  
ہو گا اور یہ سہرا کا حق ہے۔ جس کی تشریح اور بیان کر دی  
ہے۔ میں اپنے حکم فیصلہ میں اس کا اضافہ کرتا ہوں اور فرمان

جاری کرتا ہوں۔ " مدعیان کے حق میں " اس طرح جس طرح  
 کہ معزز جج صاحبان سلیمان اور رینگ نے کیس 354/193  
 ALJ کے فیصلہ میں کیا ہے۔  
 حکم !

مدعیان اپنی انفرادی حیثیت سے اور جماعتی طور سے  
 دو نواں طرح یعنی پوری شیعہ آبادی جو بنور کو یہ پور پورا  
 حق حاصل ہے کہ اپنا استدعا کرے جلوس طبل و تاشہ  
 لوندہ و ماتم کے ساتھ امام حسین کی شہادت کی یاد میں مرثیہ  
 خوانی دلوں خدائی کرتے ہوئے اور سات افراہ قاتلین حسین  
 پر لعنت بھیجتے ہوئے جو بنور کی ہر گلی، ہر بازار، ہر سڑک اور  
 ہر شاہراہ سے نیز خصوصاً قاضی کی گلی میں سے گزر سکتے ہیں۔  
 یہ ڈیکلریشن جو کہ مدعیان کے حق کی تصدیق و توثیق کرتا ہے۔  
 اس بات سے مشروط ہے کہ اگر انتظامیہ کوئی بددعت نامہ یا  
 حکم نامہ امن و امان کی صورت حال کے ہمیش نظر مجسٹریٹ  
 یا پولیس رکاوٹ یا خلل کے باعث یا ان مجوزہ امور کے  
 باعث جو کہ دفعہ 141 میں مرقوم ہیں یا دیگر قانونی مداخلت  
 کے تحت یا ٹریفک کے قوانین کے تحت :- !  
 مدعیان اس مقدمہ کے اخراجات مدعا علیہا سے  
 وصول کریں گے۔

درست  
 ٹھاکر برشاد  
 منصف جو بنور

20-7-1938



## ضمیمہ :-



بسم اللہ الرحمن الرحیم

# شیعہ مسلمانوں کی پیشہ واری حق

استفادہ از کے۔ ایم ندیم (ایڈوکیٹ)

مسلمانوں کی کامیاب مشترکہ تحریک ختم نبوت کے نتیجے میں  
 قادیانہ نول کے اسلامی برادری سے اخراج کے بعد بعض بدخواہ طبقے  
 اور وطن دشمن عناصر آپس میں ملی جھگڑت کر کے اسلامی جمہوریہ  
 پاکستان کی قومی یکجہتی، وطنی وقار اور ملکی سالمیت کو نقصان  
 پہنچانے کی سرگرمیوں میں مصروف عمل ہیں۔ وجود مملکت  
 کے لئے ہر خطرناک سازش کی راہ کو ہموار کرنا ان کا معمولی  
 شغل بن چکا ہے۔ طرح طرح کی عصیت کو برادریاں کا خاص  
 مشغلہ ہے، کبھی سنی تقصیب، کبھی صوبائی عصیت اور کبھی  
 فرقہ وارانہ منافرت پھیلا نا ان کے خاص ہنر ٹھکانہ ہے۔ ان  
 بد نیت لوگوں کی چشم بد کا خاص نشانہ ملک میں آباد شیعہ  
 مسلم برادری اور ان کے مذہبی شعائر ہیں۔ چنانچہ وہ اپنے دن  
 شیعہ دوستی کا غوغا برپا کر کے اتحاد قوم کو مجروح کرتے رہتے ہیں



یہ بات تو کسی بھی پاکستانی سے ڈھکی چھپی نہیں ہے کہ  
 تقسیم ہند سے قبل کانگریس کے رہنما ملاٹھ نے نے تقسیم ہند  
 کی شدید مخالفت کرتے ہوئے تحریک پاکستان کی جڑ نہ در نہت  
 کی تھی۔ حتیٰ کہ ان کے نام پر ہندو مذہبوں اور ان کے مٹھی بھر  
 حامیوں نے بانی پاکستان حضرت قائد اعظم محمد علی جناح رحمت اللہ  
 علیہ کو "کافر اعظم"، اور بدھ من مفسد پاکستان کو "کافر ستان"  
 کے ناموں سے مستہم کیا تھا۔ مگر اللہ تبارک تعالیٰ نے ان کے  
 منہ میں خاک ڈالی۔ قائد اعظم بفضل خدا کامیاب ہوئے اور  
 پاکستان معرض وجود میں آگیا۔ جب سرزمین پاک پر ہلائی پریم  
 نہر ایا تو شقی انقلاب دشمن کے سیف بہہ سائب لوٹے لگا کھینچ  
 کی امیدوں پر پانی بھر گیا۔ مارے شرم کے نہ ہندو زمین دلویش  
 ہو گئے اور خفیہ زلشہ دوا نیوں میں لگ گئے۔ بھلا یہ کس طرح  
 اس حقیقت کو دل سے تسلیم کر سکتے تھے۔ ہلہٹہ اس موقع کی تلاش  
 میں رہتے کہ کب اور کس طرح پاکستان کی جڑوں کو کھوکھلا کیا جائے  
 بد قسمتی سے کچھ عرصہ بعد ان کے گلشن امید پر ہند سم بہا نہ رہی  
 گیا۔ مسلمانوں کی تاریخ کا بدترین المیہ ۱۹۴۷ء میں رونما ہوا  
 پاکستان اپنے ایک باندہ سے محروم ہو گیا۔ دشمن کا دل باغ باغ  
 ہوا جو صے بلند ہو گئے۔ مذہب و عرق میں نیکی اٹگیں بھریں اور  
 باقی ماندہ پاکستان پر نگاہیں اٹھنی شروع ہوئیں۔ یہ حصہ اب  
 ان کی آنکھ کا شہر ہے۔ چنانچہ دام و دانہ بھینکنے کا اہتمام ہونے  
 لگا۔ مہلک جال کے ساتھ خود غرضی و تنگ نظری، صوبائی و لسانی

تعب نسل و جزائی امتیاز، فقر و دارانہ لغت و غیرہ کے واسطے  
جگہ جگہ بھیل لائے جانے لگے۔ ملی اخوت اور اسلامی بھائی چارہ  
کے نیک جذبات کو ٹھیس لگانے میں ہر تھیوار آزمایا جانے لگا۔  
باہمی لغت کو ہوا دینے میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہ کیا گیا بھائی  
کو بھائی سے نبرد آزما رکھنے میں کوئی کسر اٹھانے رکھی گئی بلکہ  
امن و امان کو برباد کر دیا گیا۔ لاقانونیت اور بربریت کے بھوت  
دن دن ماننے لگے بعض مدعنا دہ کی چونکا رہیوں کو سمجھکانے کے وسائل  
برص کے عمل لائے گئے۔ حتیٰ کہ ملک ایسی پڑا خوش حالت میں  
مبتلا ہو گیا کہ ہر سو خطروں کے بادل چھائے ہوئے نظر آنے لگے۔

چاروں طرف ایسی آگ روشن ہونے لگی جو کسی بھی وقت سب  
کچھ فنا کر سکتی ہے۔ عام آدمی سہما ہوا، غیر یقینی صورت حال  
سے دوچار عالم پریشانی میں گرفتار ہوا کے رخ کی جانب  
نظر جمائے کم سم کھڑا ہے۔

ہمیں وہ وقت یاد ہے جب مزائیں  
کے خلاف شیعہ سنی مشترکہ کوششوں

## دوسرا نشانہ

کی کامیابی کے موقع پر مولوی غلام غوث ہزاروی نے فرقہ وارانہ  
تعب بھیل لائے ذہنیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہ غیر ذمہ دارانہ  
بیان دیا کہ ان کی یارمی نے ایک محاذ پر کامیابی حاصل  
کر لی ہے اور اب دوسرا نشانہ شیعہ ہیں۔ ہزاروی صاحب  
نے کہا تھا کہ انھوں نے اصرام رسول کا اہتمام نہ کر لیا ہے اور  
اب وہ ناموس صحابہ کی تحریک چلا دیں گے۔ مولوی غلام غوث ہزاروی

کے اس بیان سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ ان کا اشارہ اس ثنائی  
 مہم میں براہ راست شیعہ مسلمان فرقے کی جانب تھا اور یہ ویسا  
 ہی پرانا حیلہ تھا جیسا کچھ سال پہلے لکھنؤ میں شیعہ کے  
 خلاف مدرسہ صحابہ کے نام سے ایک تحریک شروع کی گئی  
 تھی جو بعد میں برصغیر کے دوسرے شہروں میں بھی پھیل گئی  
 تھی چنانچہ اس بے جواز مہم کے مضر اندیشوں کو اس وقت کی حکومت  
 نے یہ وقت محسوس کر لیا۔ اس واقعہ کی اسمبلی میں سابق وزیر خارجہ  
 عزیز احمد مرحوم نے ایوان بہ واضح کیا کہ حزب اختلاف اسی اسمبلی  
 میں جو بلی چھپائے ہوئے ہے اس کی کچھ حقیقت نہیں ہے نیز کہ  
 یہ بات صاف ظاہر ہے کہ ختم نبوت کی تحریک تمام مسلمانوں کی  
 متفقہ و مشترکہ تحریک تھی اور خود حکومت بھی عظمت رسول اور  
 ناموس پیغمبر کو بحال رکھنے کی دلی متمنی تھی۔ چنانچہ اس نے پاکستانی  
 عوام کی رائے کی گرتے ہوئے یہ فریضہ ادا کیا جس کا سہرا اب حزب  
 اختلاف شریعت پرانہ انداز سے اپنے سر باندھ لینے کے لئے بہ قول رسماً  
 ہے۔ مگر یاد رہے کہ ختم نبوت کا عقیدہ احترام صحابہ کے عقیدے  
 کی طرح نہیں تھا کیونکہ حضرت محمد کو آخری نبی تسلیم کرنا ہر  
 مکتب فکر کے مسلمان کا بنیادی اعتقاد ہے جبکہ صحابہ کا احترام  
 ایک اخلاقی فریضہ ہے جس کا کوئی شرعی جواز نہیں ہے۔  
 علاوہ ازیں شیعہ فرقہ برہمہ الزام کہ وہ پیغمبر کے اصحاب  
 کو نہیں مانتے حقیقت کے برعکس اور ہر مسلمان پر وہ یہ عین  
 ہے۔ کیونکہ شیعہ اصحاب رسول کی عظمت کے قابل اور ان کے



مخلص عقیدت مند ہیں۔ حتیٰ کہ وہ سلمان فارسی جیسے صحابی کو اہل بیت میں سے مانتے ہیں اسی طرح دیگر اصحاب عظام جیسے حضرت ابوذر غفاری حضرت مقداد بن اسود، حضرت بلال بن رباح، حضرت زید بن خطاب، حضرت عمار بن عبدالمطلب، حضرت جابر بن عبدالمطلب، حضرت سعید بن مسروق، حضرت عقیقہ کی محبت و عقیدت کے مرکز ہیں۔ (راقم غفرلہ نے اپنی کتاب "پیارے یار" میں اس موضوع پر سیر حاصل گفتگو پر ایک قارئین کی ہے۔ اور اس الزام کی سختی سے تردید کی ہے کہ شیعہ اصحاب رسول کو نہیں مانتے ہیں) اگر بعض ظاہر اسباب کے باعث یہ فرض کیا جائے کہ شیعہ اصحاب رسول کے احترام میں کوئی نہ کر کرتے ہیں تو پھر مسنی مذہب کے وہابی فرقے کے خلاف کوئی تحریک چلائی جائے گی جو یہ نہیں سمجھتا کہ وہ وہ اسلام بھیجنے کے مخالف ہیں۔ شیعہوں کا یہ وہابی طبقہ فاکتہ، مذہب دنیائے دار و دوسلام یا محمد سلام علیک یا نعرہ رسالت یا رسول اللہ، یا نعرہ جبریل یا علی کہنے کو شرک قرار دیتا ہے۔

جماعت اہل سنت  
کی ایک یادداشت

بہر کیف ان ہی ایام میں مذکور بالا شرانگیز مہم کے علاوہ مرکزی جماعت اہل سنت کے لاہور دفتر کی جانب سے ایک یادداشت شائع کی گئی جس میں پاکستان میں آباد مسیحی مسلمانوں کے سیاسی و مذہبی مطالبات پیش کئے گئے۔ ان مطالبات پر اس وقت کی قومی اسمبلی کے ساتھ آرکان کے دستخط موجود



تھے جن میں مولوی غلام مؤث ہزاروی مفتی محمد، شہنا احمد نورانی  
خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

اس یادداشت کا تیسرا مطالبہ یہ تھا کہ چونکہ ملک میں مسی  
ابادی مبینہ طور پر کثیر ہے لہذا مطالبہ کیا جاتا ہے کہ شیعوں کے مذہبی  
جلوسوں اور مجالس عزا پر یا بندی عائد کر دی جائے۔ یہ سڑکوں  
عام گزروں کا ہونا اور شارع عام جگہوں سے شیعوں کے جلوس  
کا گزرنا ممنوع قرار دیا جائے۔ حکومت نے یہ سڑکوں کا اجراء  
بند کر دیا۔ اور عزا پر عام باڑے نہ بنانے دینے جاگیں۔ شیعوں  
کی رسومات (عزا داری) کو ان کے امام باڑوں تک محدود کر دیا  
جائے۔

مطالبہ ۴ کا آئینی تجزیہ

اندریں حالات اس بات  
کی ضرورت محسوس ہوئی کہ

جماعت کثیر کے اس مطالبے کا آئینی اور قانونی لحاظ سے جائزہ  
لیا جائے اور تجزیہ کیا جائے کہ آئین میں فراہم کردہ مذہبی  
آزادی سے یہ مطالبہ کس حد تک مطابقت رکھتا ہے۔ یہ  
انظر من الشمس ہے کہ ایسی صورت میں شیعہ مسلمانوں  
کا اس پہلو پر غور و خوض کرنا ایک فطری تقاضا ہے۔

پاکستان ایک جمہوری ریاست  
ہے اس کا اپنا آئین بھی ہے۔ اس  
دستور العمل میں مہیا کیے گئے حقوق  
و مراعات سے تنفیض ہونا ہر پاکستانی

آئین میں دی گئی  
مذہبی آزادی!

کا آئینی مکتب ہے۔ اس کے مطابق شہری زندگی بسر کرنا پاکستان کے تمام باشندوں کا یکساں فریضہ ہے۔ (اس معاملہ میں مذہب، رنگ، نسل، فرقہ، اور حیثیت کا کوئی امتیاز نہیں ہے) آپس کے شوق و علا کے مطابق اسلام پاکستان کا سرکارہ دیوبند ہے۔ شوقِ علم کی توجہ سے ایسے اقدامات ہونے چاہئیں کہ پاکستان میں آباد مسلم قوم انفرادی و اجتماعی لحاظ سے اپنی زندگیوں اسلامی نظام کے بنیادی اصولوں و ضابطوں کے مطابق گزاریں۔ ایسی سہولیات و مراعات کا اہتمام کیا جائے کہ عام ضرورتوں و سنت کے مطابق زندگی گزارنے کے مفہوم سے آشنا ہو سکے۔

اسی طرح آپس کی دفعہ ۲۰ (الف) اور (ب) ہر شخص کو مذہبی آزادی دینے کی ضمانت دیتی ہیں۔ نیز شوق (۸) کے مطابق ایسے قوانین، رسم و رواج جو باپ اقل سے غیر مداخلت رکھیں کالعدم قرار دیے جائیں گے۔

**مذہبی ذرائع ابلاغ** | مسندِ رجب بالا اقتباسات سے  
 غور کرنے کے لئے وہاں حقیقت سامنے آتی ہے کہ ساری دنیا میں آباد مسلم برادری نیز پاکستان مسلمان مختلف مذہبی فرقوں میں بے شمار ہوئے ہیں۔ ہر مکتب فکر اپنے مسلک کے مطابق قرآن و سنت کی تعبیرات و تشریحات رکھتا ہے۔ بنیادی اصولوں کی تشریح و تفسیر تاویل جدا جدا کی جاتی ہیں۔ اہل السنۃ عموماً چار فقہی

مکاتیب میں بڑھے ہوئے ہیں جنفی، شافعی، حنبلی اور مالکی شیعہ  
 فقہ و جعفری کے سیر و کار ہیں۔ کچھ غیر مقلد ہیں۔ کچھ مقلد ہیں۔  
 میں بھی مختلف شاخیں ہیں۔ کوئی برہنہ ہے کوئی دیوبندی  
 علیٰ حد القیاس جس نے جو طریقہ اختیار کر لیا ہے اسی کے  
 مطابق اپنی مذہبی زندگی گزار رہا ہے۔ اور اس تفریق امت  
 کا کسی طرح بھی علاج نہیں ہو سکا ہے۔ چنانچہ  
 مسلمانوں میں تو الیاں، محافل میلاد، عرس و میلے،  
 قرآن خوانی، نعت گوئی، مرثیہ و نذرہ خود انی نجاس عزائم  
 قتل، محفل سماع، سیرت کا تفسیر، جلسہ میلاد اور  
 تعزیر داری وغیرہ ایسے رسومات ہیں جو ان کے قدیم بزرگوں  
 نے رائج کئے اور متاخرین و صوفیہ دلائل سے ان کو اپنے مذہبی  
 شعائر سمجھ کر بجالا رہے ہیں۔ ان مراسم کی بدولت وہ ایس  
 میں رابطہ رکھتے ہیں اور ان کے ذریعہ وہ قرآنی دست  
 کی تسلیم حاصل کرتے ہیں۔ یہ سمجھ لیں کہ متقدمین نے  
 آئندہ آنے والی نسلیں کے لئے ان مراسم کو ذرائع ابلاغ کے  
 طور پر رائج کیا ہے اور زمانے کی ترقی، بہبود کے  
 ارتقاء اور ثقافتی تغیر و تبدل نے ان پر کوئی اثر نہیں ڈالا

عزاداری اور مقام حسین بن علیؑ | شیعہ فرقہ  
 کے نزدیک

عزاداری ایک ذریعہ ابلاغ ہے۔ اظہار تعزیرت ہے جمالیات جو ان



ایسے مرید و وسیلے ہیں کہ جن کے ذریعے سے شیعہ مسلمان ایک  
مقام پر مجتمع ہو کر ایسی تعلیمات حاصل کرتے ہیں جو ان کے  
فطریہ کے مطابق قرآن و حدیث سے ماخوذ نہ ہوتی ہیں۔ اس سبب  
عواداری ائمہ اہل انہی نہیں ہیں بلکہ ان کے مذہب میں تیرہ سو سال  
سے رائج ہیں اور اس بارہ میں عملی اعتبار سے شیعہ کا ایسا جہنم لا ینجک  
بن چکی ہیں کہ شیعہ کی پہچان و علامت قرآن یا چکی ہیں۔

اس مقام پر مسلمانوں کے ماضی کی تاریخ پر نظر ڈالنا  
بے جا نہ ہو گا کہ بغداد وصال پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی آمدت مختلف  
فروق میں بڑھ گئی۔ مطالعہ سے یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے  
کہ عواداری کی رسومات، جلوس، ماتم و مجالس، اتقربا ساری  
دنیا میں مرتجح ہیں۔ اور اپنے اپنے طریقے سے ہر قوم یہ رسومات  
بجالاتی ہے۔ مسلمانوں میں بھی اس کا رواج عام ہے۔ مگر  
شیعہ کی اختیار کردہ عواداری سید الشہداء و ائمہ علیہ السلام  
امتیار رکھتی ہے۔ اس کا مقصد بڑا پاکیزہ اور مقدس ہے۔

یہ ایک غیر فانی یادگار سے متصل ہے۔ ایسی مقدس و عظیم  
قربانی کی یادگار ہے جو نواسۂ رسول سید الشہداء و حضرات امام  
حسین علیہ السلام نے دین اسلام کے تحفظ کی خاطر بارگاہ الہی  
میں پیش کی۔ راہ خدا و رسول میں تن، من و دھن سب کچھ  
گھڑا دیا۔ چنانچہ عین مظلوم اور ان کے شہیدانہ نصاریٰ و  
اعوان کو نذرانہ عقیدت پیش کرنے کے لئے ان خاصان خدا  
بندوں کے سہارے کارناموں کو سلام و محبت کہنے کی خاطر



شیعہ مسلمان عوام اور اسی پر پیا کرتے ہیں شہادت کبریٰ کی  
 یہ یاد صرف شیعہ مسلمان ہی نہیں مناتے بلکہ شیعہ سنی شترکہ  
 طور پر اس عظیم سانحہ پر اظہار تعزیت کرتے ہیں۔ چنانچہ  
 بانی جماعت اسلامی مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے اپنی  
 ایک تقریر بعنوان "شہادت امام حسین" میں فرمایا کہ ہر سال  
 محرم کے مہینے میں کہ وہ دن مسلمان کیا سنی یا شیعہ سب  
 شہادت امام حسین پر اظہار تعزیت کرتے ہیں۔ پس  
 امام حسین علیہ السلام کی ذات عالی صفات تمام مسلمانوں  
 کے لئے بلا لحاظ فرقہ و مسلک مشترکہ دستفقہ طور پر لائق تعظیم  
 ہے۔ وہ سب مسلمانوں کے امام اور بزرگ ہیں۔ جیسے کہ مولانا  
 کوثر نیازی نے اپنی کتاب "ذکر حسین" میں تحریر کیا ہے کہ  
 امن کمیٹیاں وہاں بنائی جاتی ہیں جہاں امن کو خطرہ ہو  
 امن کو خطرہ وہاں رہتا ہے جہاں کوئی متنازعہ مسئلہ موجود  
 رہتا ہے وہیں سوچ رہا ہوں کہ محرم کے اس مقدس مہینے میں  
 مسلمانوں کے درمیان ایسا کون سا متنازعہ مسئلہ ہے جو امن  
 کے لئے خطرہ بن سکے۔ کون مسلمان ہے، حسین عجل جس کے ایمان  
 کا حصہ نہ ہو۔ کون کلمہ گو ہے جس کی رگوں میں عشق حسینؑ خون  
 کی طرح نہیں دوڑتا۔ کون سی آنکھ ہے جو امام کی پیاس کے  
 تصور میں بھیگ کر فرات نہیں بنتی۔ کون سادل ہے جو حسین  
 کی محبت کو سچے سچے لئے صحرائیں کی طرح پھیل جانے کا خواہشمند  
 نہیں حسینؑ پر اگر کوئی تنازعہ ہو سکتا ہے تو ان کی ذات کے عشق

کا تنازعہ ہے۔ اور یہ عین حق وہ ہے کہ ہر مسلمان اس میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کا متمنی ہے۔ حسین پر اگر کوئی تنازعہ ممکن ہے تو اس جذبہ قربانی پر ممکن ہے جسکی وہ زندہ مثال ہمارے سامنے پیش فرما گئے۔ ہر مسلمان دوسرے سے بڑھ کر اس قربانی کی تقلید کرنا چاہے گا۔

چنانچہ ایسی صورتوں میں تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ مسلمانوں کے غیر متنازعہ رہنما، سبط رسولؐ حضرت امام حسینؑ علیہ السلام کی شہادت عظمیٰ پر عوامی ادارہ یا کسی مسلمان کو اختلاف نہیں ہے۔ پس مسلمانوں کے لئے یہ ایک قدر مشترک ہے چاہے وہ پاکستان میں آباد ہوں یا دنیا کے کسی اور خطے میں، امام فخریؒ اور علامہ ابن تیمیہؒ اس کے طریقوں میں مجموعی اختلافات کی گنجائش ہو سکتی ہے لیکن اصولی طور پر اتفاق ہے۔ لہذا عقلاً یہ ممکن نہیں کہ عوامی ادارہ یا امام حسینؑ سے کسی مسلمان کو دھک یا تکلیف پہنچے۔ یا حسینؑ کے نانا کی اُمت کے کسی فرد کو ایسے متفقہ امر پر کوئی اعتراض یا شکایت ہو۔ لیکن بد قسمتی سے اگر ایسا ممکن بھی ہو تو پھر بھی پاکستان کے آئین میں دی گئی مذہبی شعائر کی بجائے کسی آزاد سی جمہوریت کی شوق (الہام) کے مطابق پاکستان کے ہر شہری کو مساوی طور پر حاصل ہے۔ ایسے اعتراض و شکایات کو غیر آئینی قرار دیتے ہیں۔ شق ۲۵ جو نہ صرف آئین کا لب لباب ہے بلکہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے دستور کی روح ہے۔ پاکستان میں آباد ہر شہری کو اس

اپنے عقیدے کے مطابق ذمہ داری لے کر لینے کا تحفظ اور ضمانت بخشی ہے۔ چنانچہ آئین کے مطابق حاصل شدہ حقوق شیعوں کے لئے نہ ثانوی حیثیت رکھتے ہیں۔ نہ دوسرے مسلمان فرقوں کے تابع فرمان ہیں۔ بلکہ انہوں نے دستور ہر شخص مذہبی لحاظ سے آزاد ہے کہ وہ اپنے اختیار کردہ مذہبی طریقے کے مطابق زندگی گزارے۔ چنانچہ اس امر کی وضاحت ہم ملک کی ایک اعلیٰ عدالت کے صادر کردہ فیصلے کے اقتباس کو نقل کر کے پیش خدمت کرتے ہیں۔

سابق مغربی پاکستان ہائی کورٹ لاہور کی رٹ ٹیلیشن

392/1961ء کے حوالہ سے مقدمے کے بارے میں کہ:

ہم اس وجہ سے ناآشنا ہیں کہ جس کے باعث درخواست گزار کو 1961ء سے تعزیر نہ نکلنے کا اجازت نامہ 1962ء تک جاری نہیں کیا گیا ہے جب کہ محرم کا مہینہ سربراہان ہینچا ہے۔ ہم نے بہ نظر عمیق جائزہ لیا ہے کہ ہر فرقے کے سربراہ مسلمان نہ اپنی مذہبی تقریبات اور رسومات کی آئندہ ادائیگی اور یہی حق حاصل ہے۔ قانون اس معاملہ میں بالکل واضح ہے کہ ہر شہری یہ حق رکھتا ہے کہ اپنے مذہبی رواجوں کو اپنے طریقوں سے منائے۔ اس حق سے محض اس لئے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ چند افراد اس پر اعتراض دائر کرتے ہیں۔ یہ ایسی کا فرض منصبی ہے کہ وہ قانون کا نفاذ کرے اور بدلہ امنی کا سترباب کرے۔ اس فریضہ کی ادائیگی میں کوئی کمی و بیشی نہیں ہے



اسی طرح ضلع ملتان کی ایک عدالت نے اسی نوعیت کے معاملہ میں لکھا ہے کہ ”مجھے یہ واضح کرنے میں کوئی تامل نہیں ہے کہ ممتاز آباد کالونی کے شیعوں کا یہ موردی اور بنیادی حق ہے کہ عوامانہ کام کے جملہ سوں کو برآمدہ کریں۔ زمینیں پر موجود کوئی طاقت بھی ان کو ان کے اس حق سے نہیں روک سکتی جس سے وہ مستفید ہوتے ہیں بغیر کسی پابندی اور رکاوٹ کے۔“

الغرض ایسی واضح آزادی اور قانونی تحفظ کے باوجود معلوم نہیں مانتی جلوس کے لئے سنے اجازت ناموں کا مطالبہ کیوں کیا جاتا ہے؟ آئینی لحاظ اور قانونی اعتبار سے تو مطالبہ کوئی بنیاد نہیں رکھتا لہذا انتظامیہ یا دیگر متعلقہ افراد کا نئے پرمٹ کا مطالبہ کرنا ان کے قانونی شہری حقوق میں بے جا مداخلت اور ناروا درست اندازہ کے مترادف ہے۔ اس سلسلہ میں چند محرومات مندرجہ ذیل ہیں۔

الف :- بنیادی یا فطری حقوق جو کسی فرد کی ذات سے متعلقہ ہوں ان کو حاصل کرنا اور استعمال کرنا باشندہ طبقوں کے ہر فرد اور دست حتیٰ کہ نہ مولود کا بھی حق ہوتا ہے۔

ب :- بنیادی و فطری حقوق کو غصب نہیں کیا جاسکتا خصوصاً اس وجہ سے کہ ان کو استعمال نہیں کیا جا رہا ہے ایسے حقوق سے دست کش یا درست بردار بھی نہیں ہونا چاہیئے۔ پبلک پالیسی کی بنیاد پر قائم کوئی حق چھینا نہیں جاسکتا پاکستان



کے شہری ان آئینی حقوق سے باہر کوئی سمجھوتہ نہیں کر سکتے۔ نہ ہی یہ حقوق ان سے چھینے جاسکتے ہیں نہ ان میں تخفیف و تلخیص ہو سکتی ہے۔

ج :- عوامداری پر کسی بھی قسم کی عارضی یا بندی عائد کرنے کا عمل معنوی لحاظ سے اور عملی اعتبار سے شیعہ کی قدرتی افزائش کے لئے ایک رکاوٹ ہے۔ نئے اجازت ناموں کا مطالبہ اور اجراء مسلمان شیعہ فرقے کے مذہبی حقوق پر آرہا چلا نا ہے۔ اور دستور پاکستان کی دفعہ ۲۰ الف کی دھجیاں اڑانا ہے جس میں مذہبی آزادی کی ضمانت دی گئی ہے کہ پاکستان کا ہر شہری اپنے اختیار کردہ مذہبی فرقہ کے مطابق عمل کرنے میں با اختیار ہے۔

د :- پاکستان ترقی پذیر ملک ہے۔ اس کی آبادی بڑھ رہی ہے۔ بحالیات میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ شہری اور صوبائی آبادیاں بن رہی ہیں۔ نئی نئی رہائشی اسکیمیں اور تعمیراتی منصوبے تیار کئے جا رہے ہیں۔ نئے محلے اور نئے دفتر قائم ہو رہے ہیں۔ افزائش کی ایسی صورت میں نئے لائسنس کی مرحمت بہرہ بندی بلاشبہ غیر فطری اور لاقانونی ہے۔ یہ عمل قانونی و دستوروی لحاظ سے متضاد ہے۔

چنانچہ نئے لائسنس کے بارے میں ۱۹۷۱ء میں الہ آباد کے ہائی کورٹ نے ایک مذہبی جلوس نکالنے کے بہرہ منڈ کے حصول کا معاملہ نمٹایا اور عدالت نے تحریر کیا کہ :-

”یہ ہر طبقہ و فرقے کا حق ہوتا ہے کہ وہ اپنے طریقے سے اپنا مذہبی جلوہ سناہراہ پیر سے گزارے۔ یہ موردی حق کسی رسم و رواج یا اس کی قدامت کا محتاج نہیں ہے۔ چاہے وہ نئی بات (جدت / بدعت) ہی کیوں نہ ہو۔ وہ بھی قانونی حق میں شمار ہوگی۔ کیونکہ حق اس بارے میں بے نیاز ہے کہ وہ رسم کے پیر انا پرست یا نیا ہونے کے پہلو کو مد نظر رکھے۔ وہ اس کی عدم مہیت یا تعطل یا فرسودہ پن سے کوئی سروکار نہیں رکھتا ہے۔“

اوپر بیان کردہ قانونی توضیحات اور آئینی تشریحات کے علاوہ ملک کی کتاب قانون میں ایسے قوانین موجود ہیں جو کسی کو یا ہر کسی کو سزا کا مستوجب ٹھہراتے ہیں اُسے جو الفاظ سے، تقریر سے، تحریر سے، علانیہ، خفیہ یا اشارۃً کسی کے جذبات کو ابھارتے، مذہبی، نسلی، علاقائی، لسانی، رہائشی، ذاتی، فرقہ جاتی یا کسی اور خصوصیت سے جس سے کہ لوگوں کے مختلف گروہوں میں باہمی تلخی، منافرت، ناگواری اور دشمنی پیدا ہو۔ مختلف مذہبوں، نسلیوں، زبانوں، علاقوں، قوموں اور طبقوں میں اشتعال جنم لے۔ اس جرم کی پاداش میں پانچ سال کی قید اور جرمانہ کی سزا تجویز کی گئی ہے۔ (پاکستان بینل کوڈ A-153-5)

اس کے علاوہ ایک اور قانون کے تحت ملک دشمن کارروائیوں کے سبب یا جس طرح کو یہ اختیار تقویٰ میں کیا گیا ہے کہ وہ پوری مستعدی کے ساتھ ایسے عناصر کے خلاف تادیبی اقدام کرے جن جو ان کے ضلعی حدود میں فرقہ وارانہ انتشار پھیلانے کا ارتکاب کرتے ہیں۔

قانون میں دستیاب یہ آئینی ضمانتیں بلا مقصد نہیں ہیں بلکہ امن و امان، نفاذ قانون اور حفاظت حقوق کے لئے ہیں۔

چنانچہ پاکستان کا ہر شہری اقلیت و اکثریت کے امتیاز سے بالاتر رہ کر اپنے مذہب پر پوری آزادی کے ساتھ مکمل سیرادہ سکتا ہے۔ آئین کے سایہ میں ہر ایک کو مذہبی آزادی حاصل ہے۔ آئین نے اقلیت سے تشدد مٹاتا ہے نہ اکثریت پر نازاں ہے لہذا نفاذ قانون کے مرحلے میں تشدد و افراد کا لحاظ نہیں رکھا جاسکتا کہ اگر اکثریت قانون شکنی کرے تو پوجہ کثرت آبادی ان کو قانون سے مستثنیٰ قرار دیا جائے

یہ بڑے دکھ کی بات ہے کہ ہمارے ملک میں آئینی تحفظات کی موجودگی کے باوجود شہری اپنی سماجی زندگی کو مذہبی منافرت اور فرقہ واریت کے شر سے محفوظ نہیں پاتے۔ ملک کے اکثریتی طبقے یہ غلط تاثر قائم کر رکھا ہے وہ کثرت نفری کے بل بوتے پر جو جگہ میں امن مافی کر سکتے ہیں۔ (اقلیتی مسلم گروپ کے ساتھ حکمانہ رویہ اختیار کر سکتے ہیں اور ان کے بنیادی حقوق کو ادا کرنا یا نہ کرنا ان کے جمہوری اختیار میں ہے اسی طرح ملکی سول انتظام کا برتاؤ بھی اسی طرح کا ہے جو مذکورہ غلط و ہم کی عکاسی کرتا ہے کہ وہ اکثریت و اقلیت کے پہلو کو قانونی تقاضوں پر فوقیت دیتے ہیں۔ اس حقیقت کے باوجود کہ شیعہوں کے مذہبی مراسم صدیوں پرانے ہیں اور سینکڑوں برس سے مسلسل منائے جا رہے ہیں۔ ان شعائر مذہبی کو شیعہ کی مدنی زندگی کا حصہ



تسلیم کرنے میں ہچکچیا ہرٹ محسوس کی جاتی ہے اور اس سچی بات کو ماننے سے اجتناب برتا جاتا ہے۔ آئے دن کوئی نہ کوئی تنازعہ مزاحمت پیدا کر دی جاتی ہے۔ جس سے شہیجوں کے مذہبی جذبات کو ٹھیس لگتی ہے۔ اس بات کی جانب متوجہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ انتظامیہ کو کسی شہری کے مذہبی معاملات میں مداخلت کرنے کا حقیقت سے اختیار بھی نہیں ہے۔ دنیا کی تمام جمہوری ریاستوں کا یہ مسلمہ اصول ہے کہ شہری زندگی کے مذہبی پہلوؤں سے مقامی انتظامیہ ہمیشہ لائق رہتی ہے۔ اور اس کو شہریوں کی اپنی صوابدید پر چھوڑ دیا جاتا ہے ماسوائے سنگین حالات کے جب نقص امن کا اندیشہ ہو یا کسی کی حفاظت مطلوب ہو یا ملکی سلامتی کے لئے کوئی خطرہ لاحق ہونے کا اندیشہ ہو۔ چنانچہ اسی اصول کو دستور پاکستان میں بڑے اہتمام کے ساتھ قلمبند کیا گیا ہے۔

یہ بد قسمتی اور تکلیف دہ امر ہے کہ مقامی رسول انتظامیہ کو آئین کے بارے میں مناسب و معقول تربیت نہیں دی جاتی ہے، نہ ہی ان حکام کے دلوں میں آئین میں محفوظ تحفظات حقوق شہریت کی محبت و قدر کو راسخ کرنے کا انتظام کیا جاتا ہے۔ چنانچہ اس کم فہمی کے باعث یہ غلط تاثر ان کے ذہنوں پر منقش ہو جاتا ہے کہ چھوٹی آبادی والے فرقے کے لوگ اپنی مذہبی آزادی کا پیدائشی حق اس شہر پر حاصل کر سکتے ہیں کہ زیادہ آبادی والے فرقے کے لوگ اس پر رضا مند ہوں جبکہ



یہ خیال سراسر بے بنیاد ہے۔ چنانچہ انتظامیہ کے مداخلتی پہلو کو ہم بیکوالہ PLD 1944 فیصلہ رپورٹ لاہور ص ۶۷ سے نقل کرتے ہیں۔

”عدالتیں دیوانی اور فوجداری اس لئے قائم کی گئی ہیں کہ وہ لوگوں کے حقوق کا تحفظ کریں۔ چنانچہ مجسٹریٹ کو دفعہ ۱۴۱ کے تحت حاصل شدہ اختیارات اس لئے تفویض ہوئے ہیں کہ وہ مبینہ حقوق کے دفاع کی خاطر ان کو عارضی طور پر استعمال کر سکیں۔“

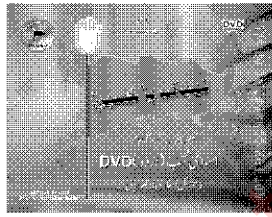
مندرجہ بالا گفتگو کی روشنی میں یہ بات یقینی اور حتمی طور پر کہی جاسکتی ہے کہ شیعہ کی عوامی ادارہ پاکستان کے دستور العمل میں مصلحتہ طور پر محفوظ ہے اور اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین کی روش سے انہیں پورے پورے مذہبی آزادی حاصل ہے۔ چنانچہ یہ بات ذہن نشین رہے کہ ہر حق کے متصادمی ایک فرض ہوتا ہے رسومات عوامی ادارہ نجاس و جلوس کو خالصتاً مذہبی ہونا چاہیے اور ان کے تقدس و احترام پر کسی طرح بھی آج نہیں آتی چاہئے۔ اس کو سیاسی بیٹ فارم بنانا کسی بھی اور غیر مذہبی مقصد کے لئے صحیح نہ سمجھنا سراسر مذہب و موم اور غیر آئینی ہے۔

عبدالکریم مشتاق

رکابت: یوسف رضوی (۸-۶۱)

یہ کتاب

اپنے بچوں کے لیے scan کی بیرون ملک مقیم ہیں  
مومنین بھی اس سے استفادہ حاصل کرسکتے ہیں۔



منجانب۔

سبیل سکینہ

یونٹ نمبر ۸ لطیف آباد حیدرآباد پاکستان



۷۸۶  
۹۲-۱۱۰

یا صاحب الزماں اور کئی

DVD  
Version

# لبیک یا حسینؑ

نذر عباس  
خصوصی تعاون: رضوان رضوی

## اسلامی کتب (اردو) DVD

ڈیجیٹل اسلامی لائبریری -

SABIL-E-SAKINA  
Unit#8,

Latifabad Hyderabad  
Sindh, Pakistan.

www.sabeelesakina.page.tl  
sabeelesakina@gmail.com

www.ziaraat.com

NOT FOR COMMERCIAL